داعیٔ رجوع الی القرآن بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول	سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
	صفحات: 360، قیمت 475 روپے
حصہ دوم	سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
	صفحات 321، قیمت 425 روپے
حصہ سوم	سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
	صفحات 331، قیمت 425 روپے
حصہ چہارم	سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
	صفحات 394، قیمت 485 روپے
حصہ پنجم	سُورۃ مَریَم تا سُورۃ السَّجدۃ
	صفحات 480، قیمت 575 روپے
حصہ ششم	سُورۃ الاحزاب تا سُورۃ الحجرات
	صفحات 484، قیمت 575 روپے
حصہ ہفتم	سُورۃ قٓ تا سُورۃ النّاس
	صفحات 560، قیمت 650 روپے

یکے از مطبوعات: انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور

شائع کردہ: مکتبہ خدام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور ٹاؤن 3-35869501(042)

رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ

جون ۲۰۱۷ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

خصوصی اشاعت

رمضان، قرآن اور ہم

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی
ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ علیہ

جلد :	66
شمارہ :	6
رمضان المبارک	1438ھ
جون	2017ء
فی شمارہ	30/-

خصوصی شمارہ، قیمت 60 روپے

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

اندرون ملک	300 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org
ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور
فون: 36316638 - 36366638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری   مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ____ 5
امریکہ عرب اسلامی سربراہی کانفرنس — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القرآن ____ 9
سورۃ العنکبوت (آیات ۴۵ تا ۶۹) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اعتصامش کن .... ____ 25
قرآن حکیم سے ہمارے حجاب کے اسباب — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تعمیرِ سیرت و کردار ____ 47
اصلاحِ معاشرہ کا انقلابی تصور (۳) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

شَهْرٌ عَظِيْمٌ ____ 70
ماہِ رمضان اور قرآن — چودھری رحمت اللہ بٹر

شَهْرٌ مُبَارَكٌ ____ 87
رمضان کا آخری عشرہ کیسے گزاریں؟ — جمیل الرحمٰن عباسی

خطوط و نکات ____ 100
''اہلِ ایمان کے لیے خلود فی النار؟'' — پروفیسر عبداللہ شاہین

انوارِ ہدایت ____ 101
اچھے اعمال اور غرّہ — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

مردانِ خود آگاہ و خدا مست ____ 107
شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کا احسانی و عرفانی مقام — محمد ظفر اقبال

اَلْعَيْنُ حَقٌّ ____ 125
نظرِ بد اور اس کا علاج — فرید بن مسعود

سبق پھر پڑھ ____ 137
دورِ حاضر میں نظامِ خلافت کے امکانات اور اس کا طریقہ کار — شجاع الدین شیخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امریکہ عرب اسلامی سربراہی کانفرنس

مسلمانوں کی تاریخ عظیم الشان اور حیرت انگیز فتوحات سے بھری پڑی ہے' لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے کہ مسلمان کبھی شکست اور ہزیمت سے دوچار نہیں ہوئے' بلکہ تاریخی سچ تو یہ ہے کہ ہمیں بعض مواقع پر نہ صرف شکست ہوئی بلکہ شرمناک اور ذلت آمیز صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ بغداد جو مسلمانوں کی عظمت وسطوت کی داستانیں بیان کرتا ہے' منگولوں نے اُس کی کیسے اینٹ سے اینٹ بجائی؟ سانحۂ غرناطہ کو کون بھلا سکتا ہے' اور فال آف ڈھاکہ تو کل کی بات ہے جب پینتالیس ہزار پاکستانی فوجیوں نے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ پھر یہ کہ مصری فوج اسرائیل سے بری طرح شکست کھا گئی۔ لیکن تاریخ نے یہ منظر شاید کبھی نہ دیکھا ہو جو ہم مسلمانوں کو چند روز پہلے دیکھنا نصیب ہوا کہ وقت کی وہ سپر پاور امریکہ جو افغانستان' عراق' لیبیا اور شام میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل رہی ہے' جو فلسطینیوں سے زندگی اور اُن کے پاؤں تلے سے زمین کھینچنے والے اسرائیل کا کھلم کھلا اور اعلانیہ پشتیبان ہے' جو کشمیریوں پر دن رات ظلم وستم ڈھانے والے بھارت کو اپنا فطری حلیف اور دوست قرار دیتا ہے اور اُس کو خطے میں چودھری بنانا چاہتا ہے' جو کبھی یمن میں اور کبھی پاکستان میں ڈرون حملوں سے مسلمانوں کی ٹارگٹ کلنگ کرتا ہے' اُس امریکہ کو عرب (جسے گزشتہ صدی میں سعودی عرب کا نام دے دیا گیا تھا) جہاں حرمین الشریفین واقع ہیں یعنی مکہ اور مدینہ جن کا نام سنتے ہی مسلمان کے سینے میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہے' جہاں کے مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے ایک جنونی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے' اُس عرب ملک میں چون (۵۴) اسلامی ممالک کے سربراہانِ حکومت کا اجتماع ہوتا ہے اور قاتل امریکہ کے صدر کو مرکزی اور خصوصی مہمان کی حیثیت سے شرکت کی دعوت دی جاتی ہے' اُس کا استقبال ایسا شاندار اور والہانہ ہوتا ہے کہ کتنی بھی لفاظی کر لی جائے اُس کا نقشہ کھینچنا آسان نہ ہوگا۔ صدر امریکہ سے ملاقات کے لیے کئی مسلمان ممالک کے سربراہ کو الگ الگ ملاقات کا موقع بھی دیا گیا اور صدر امریکہ نے اُن سے اجتماعی طور پر بھی خطاب کیا۔ وہ انہیں چھوٹے بچوں کی طرح وعظ ونصیحت

کرتے رہے۔ مسلمانوں کے خون سے ازسرتاپا لتھڑے ہوئے امریکی حکمران کے ساتھ میزبان ملک نے سینکڑوں بلین ڈالر کے تجارتی معاہدے کیے' کیونکہ مہمان صدر امریکہ نے اپنی انتخابی مہم کے دوران امریکیوں کے لیے لاکھوں نئی نوکریاں پیدا کرنے کا وعدہ کیا تھا اور یہ اُس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک امریکہ کی واحد زندہ عسکری انڈسٹری کو تازہ خون مہیا نہ کیا جاتا۔

سوال یہ ہے کہ امت مسلمہ نہ سہی مسلمان ممالک کے یہ سربراہان خود فریبی پر کیوں تلے ہوئے ہیں؟ امریکہ عرب اسلامی سربراہی کانفرنس سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں کیوں منعقد کی گئی؟ اس کے مقاصد کیا تھے؟ ہم نہیں سمجھتے کہ اسے جاننے کے لیے کسی افلاطونی یا سقراطی فلسفہ سے مدد درکار ہوگی۔ سادہ سی بات ہے کہ سعودی عرب اور ایران کی پرانی کشیدگی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہی امریکہ اور مغرب کشیدگی میں اضافہ کا موجب بن رہے ہیں اور جلتی پر بڑی منصوبہ بندی سے تیل ڈال رہے ہیں۔ سعودی عرب تمام اسلامی ممالک کو اکٹھا کر کے دنیا خصوصاً امریکہ کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ (یعنی سعودی عرب) مسلمان ممالک کا لیڈر ہے' مسلمانوں سے معاملات طے کرنے کے لیے امریکہ کو سعودی عرب سے بات کرنا ہوگی۔ اور عالمی قوتوں کو پیغام دیا گیا کہ سعودی عرب کا دشمن ایران تنہا ہو چکا ہے۔ مسلمان ممالک کو بتایا گیا کہ ایران دہشت گردی کو سپورٹ کرتا ہے۔ دوسری طرف امریکہ کم از کم ۱۱۰ بلین ڈالر کا اسلحہ بیچنے میں کامیاب ہو گیا۔ قارئین غور فرمائیں اور سازش کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں کہ ایران کو عربوں خصوصاً سعودی عرب کے سامنے تو ہوا بنایا گیا۔ ایران کے خلاف امریکی حکومت اور امریکی اداروں میں زبردست مخالفانہ بیان بازی بھی ہوئی' تجارتی پابندیاں بھی لگائی گئیں' لیکن امریکہ نے ایران کو بدی کا مرکز کہنے کے باوجود کبھی ایران کے خلاف ایک گولی نہیں چلائی۔ لہٰذا امریکہ اسلحہ بیچنے کے ساتھ ساتھ Divide and rule کی پالیسی کو مزید آگے بڑھانے میں کامیاب ہوا۔ حالات اگرچہ پہلے بھی سازگار نہیں تھے لیکن اب سعودی عرب ایران مفاہمت ممکن نظر نہیں آتی۔ دوسری طرف امریکہ ایران کے خلاف عملی طور پر کوئی ایسا قدم اٹھاتا نظر نہیں آتا اور اس دشمنی کو بیان بازی تک محدود رکھے ہوئے ہے۔ ایران بھی امریکہ کو بُرا بھلا تو بہت کہتا ہے ''شیطانِ بزرگ'' تک کہہ دیتا ہے' لیکن ایران اگر امریکہ کو حقیقی دشمن سمجھتا ہے اور اُسے خطرہ ہے کہ امریکہ اُسے عملاً کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے تو وہ جوہری معاہدہ جس سے ایران کی پسپائی کا تصور سامنے آیا وہ امریکہ کے منہ پر دے مارے۔ ہماری نظر میں امریکہ ایران دشمنی کے حوالے سے بہرحال دال میں کچھ کالا ہے۔ صدر ٹرمپ نے اس کانفرنس میں ایک انتہائی اہم بات کی کہ دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے

ہمیں آواز مت دو۔ اپنے بندے خود مارو۔ ہم سے اسلحہ خریدو تاکہ امریکی گلشن کا کاروبار چلے!

پاکستان کا امریکہ عرب سمٹ کانفرنس میں عجیب وغریب رول تھا۔ ہمارا وزیر خارجہ ہی نہیں' خارجہ پالیسی بھی نہیں ہے' گزرتے ہوئے واقعات خارجہ پالیسی خود ہی ترتیب دیے جا رہے ہیں۔ وہ وزارت خارجہ جسے سجن جندال کے نہ آنے کا پتہ چلا تھا' نہ جانے کا کچھ معلوم ہوا ہوگا' وہ کانفرنس سے پہلے زور وشور سے تیاریوں میں مصروف تھی۔ قوم کو بتایا گیا کہ امریکی صدر ٹرمپ سے ملاقات کا نادر موقع ہاتھ لگ سکتا ہے جس کے لیے محکمہ دن رات تیاریاں کر رہا ہے۔ وزیراعظم میاں نواز شریف کانفرنس سے خطاب بھی فرمائیں گے۔ اُن کا خطاب بڑی محنت سے تیار کیا گیا۔ اطلاعات کے مطابق تقریر کی تیاریاں دورانِ سفر بھی جاری رہیں' لیکن وہاں نہ ٹرمپ سے ملاقات ہوسکی' نہ تقریر کرنے کا موقع دیا گیا۔ یہ سلوک وزیراعظم پاکستان سے کیوں ہوا؟ ہم اس پر حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ وزیراعظم کے شاہی سعودی خاندان سے مثالی تعلقات ہیں جو شاید کسی دوسرے پاکستانی حکمران کے نہیں ہوں گے۔ لیکن ایک بات ہمیں کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ فرد ہو یا گروہ' یا کوئی قوم اور ملک ہو' اگر دوسروں سے مانگنا اُس کی سرشت میں شامل ہو جائے تو وہ کبھی عزت نہیں پا سکتا۔ وہ مَن مرضی نہیں کر سکتا۔ ایک طرح کی غلامی کا پٹہ ہوتا ہے جو اُس کی گردن میں پڑ جاتا ہے۔

یہی وہ ڈونلڈ ٹرمپ ہے جو اپنی الیکشن مہم میں اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن بن کر اُبھرا اور صدر بن جانے کے بعد بھی باقاعدہ اس نے امریکہ میں مسلمانوں کے داخلے پر پابندی کا حکم جاری کیا۔ اگرچہ اس میں اسے ناکامی ہوئی مگر اس کے عزائم اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے کسی سے بھی ڈھکے چھپے نہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے اسلامی لیڈروں کی آنکھوں پر پٹی بندھ گئی ہے کہ وہ ڈونلڈ ٹرمپ کو ہی بحیثیت امریکی صدر اپنا داتا اور مشکل کشا مان رہے ہیں۔ حالانکہ بات بہت واضح ہے کہ اسرائیل کے استحکام اور عزائم کی تکمیل کے لیے جو کام ایران سے عراق' شام' یمن اور دیگر اسلامی خطوں میں لیا جانا مقصود تھا وہ لیا جا چکا۔ اب انتظار صرف ایک ایسی جنگ عظیم کا ہے جو مسلم ممالک کے درمیان ہو' جس میں تباہی صرف مسلمانوں کی ہو' اسرائیل کے اہداف کی تکمیل ہو اور اس پر الزام بھی کوئی نہ آئے۔

اب سوال یہ ہے کہ پاکستان کو کرنا کیا چاہیے؟ ایران جس کے ساتھ ہمارا نو سو نو (۹۰۹) کلومیٹر طویل بارڈر ہے اور ماضی میں وہ ہمارا دوست رہا ہے' اُس کے خلاف اگر ہم کسی محاذ کا حصہ بن جائیں تو کہاں کہاں لڑیں گے؟ پہلے دو محاذوں سے بھارت اور امریکہ پاکستان کو بچ نکلنے کا کسی

صورت موقع نہ دیں گے۔ ایران سے ایسا معاملہ کیا جا سکتا ہے کہ اس پر واضح کیا جائے کہ ہم باقی اسلامی دنیا سے الگ نہیں رہ سکتے لیکن ہم آپ کے خلاف کسی اقدام کا حصہ نہیں بنیں گے۔ حرمین الشریفین کی حفاظت ہماری دینی ذمہ داری ہے' اس سے ہم کسی صورت نہیں چوک سکتے' اور اُس کو کسی قسم کی گزند پہنچانے کی کوشش کو ناکام بنانا ہمارے لیے پاکستان کے تحفظ سے زیادہ اہم ہے۔ لیکن ہم کسی ایک اسلامی ملک کی دوسرے اسلامی ملک پر جارحیت کی مذمت کریں گے۔ اور اُس کا حصہ نہیں بنیں گے۔ درحقیقت امریکہ کے عزائم واضح ہیں' وہ اہلِ سنت اور اہلِ تشیع کو ایک دوسرے سے لڑا کر مسلمانوں کو ہر طرح سے کمزور کرنا چاہتا ہے۔ وہ حقیقت میں نہ ایران کا دشمن ہے اور نہ سعودی عرب کا دوست ہے۔ اگر ہم قرآن پاک پر غور کریں اور اُس کے اوامر ونواہی کی پیروی میں طرزِ زندگی گزاریں تو اس ذلت اور نکبت سے بچ سکتے ہیں جو آج ہم پر مسلّط ہے۔ اللہ ربّ العزت سورۃ المائدہ میں فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۱﴾

''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں' اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہی میں سے ہوگا' بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آخر ہمارے حکمران کیوں نہیں سمجھتے کہ ہمارا دین ہی ہماری اصلی' حقیقی اور آخری پناہ گاہ ہے۔ ہر حکمران کی حکمرانی صرف اُس وقت تک ہے جب تک اللہ چاہے گا۔ ساری دنیوی قوتیں آپ سے حکمرانی نہیں چھین سکتیں اگر اللہ نہ چاہے' اور اسی طرح اس کے چاہے بغیر کوئی حکمران رہ بھی نہیں سکتا۔ کل عزت اللہ ہی کے لیے ہے' لہٰذا عزت اُسی کے توسط سے ملے گی۔ بہرحال اِس کانفرنس میں امریکی رول کو دیکھتے ہوئے ہم جیسے بے بس مسلمانوں کا فوری ردِعمل ہوگا: ''حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے!'' دُنیوی حکومت اور انسانی زندگی کا فنا ہونا تو سب مانتے ہیں' اگر اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی جاری رہی تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ آخرت' جہاں نہ ختم ہونے والی زندگی شروع ہوگی وہ بھی تباہ وبرباد ہو جائے گی۔

❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ العَنکبُوت

آیات ۴۵ تا ۶۹

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ
الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا
تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖۗ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ
وَقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ
لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾
وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ
الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا یَجْحَدُ
بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا
الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ
الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ
كَفٰی بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ شَهِیْدًا ۚ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾
وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ
وَلَیَاْتِیَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ
لَمُحِیْطَةٌ ۙ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۴﴾ یَوْمَ یَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

اَرْجُلِهِمْ وَیَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ
اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۫ ثُمَّ اِلَیْنَا
تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِیْنَ
صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ
یَرْزُقُهَا وَاِیَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ یَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ
سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا
لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ
الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا
یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۖ فَلَمَّا
نَجّٰىهُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ ۙ وَلِیَتَمَتَّعُوْا ۟ فَسَوْفَ
یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ
اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی
اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾
وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۶۹﴾ ع

اب یہاں سے اس سورت کا آخری حصہ شروع ہو رہا ہے جو تین رکوعات پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ آغاز میں بتایا گیا ہے' سورت کے اس حصے میں دو مضامین (مشرکینِ مکہ اور اہلِ ایمان سے خطاب) اس انداز میں متوازی چل رہے ہیں جیسے ایک رسّی کی دو لڑیاں آپس میں گندھی ہوئی ہوں۔ قرآن کے اس اسلوب کے بارے میں پہلے بھی کئی بار ذکر ہو چکا ہے کہ مدنی سورتوں میں اہل ایمان سے خطاب کے لیے عام طور پر یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا صیغہ آیا ہے' جبکہ مکی سورتوں میں اہل ایمان کو براہِ راست مخاطب کرنے کے بجائے عموماً رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے مخاطب کیا گیا ہے۔ البتہ اس سورت کی آیت ۵۶ میں یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے

الفاظ میں مسلمانوں سے براہِ راست خطاب بھی ہے۔ بہر حال آئندہ آیات میں اہل ایمان سے خطاب کے دوران ان لوگوں کو بہت اہم ہدایات دی گئی ہیں جو غلبۂ دین کی جدوجہد میں مصروف ہوں اور اس راستے میں مصائب و مشکلات کا سامنا کر رہے ہوں۔ ان ہدایات کی تعداد دس کے قریب ہے جن میں سے پہلی اور سو ہدایات کے برابر ایک ہدایت یہ ہے:

آیت ۴۵ ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ ''تلاوت کرتے رہا کریں اُس کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف کتاب میں سے''

سورۃ الکہف کی آیت ۲۷ میں بھی یہی ہدایت دی گئی ہے: ﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۭ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ تلاوت کیجیے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ کے رب کی کتاب میں سے''۔ تقرّب اِلی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن حکیم ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۳ میں اہل ایمان کو قرآن سے چمٹ جانے کا حکم بایں الفاظ دیا گیا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠﴾ ''اور مضبوطی سے تھام لو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو!'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث اس مضمون کو مزید واضح کرتی ہے:

((كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ)) (۱)

''کتاب اللہ ہی اللہ کی رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔''

حضور ﷺ کے اس فرمان کے مطابق قرآن ہی ''حبل اللہ'' ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران کی مذکورہ آیت میں مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کی تلاوت کرنے اور اس کی تعلیم و تفہیم میں مشغول رہنے سے بندۂ مؤمن کا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے اور اللہ پر اس کے یقین اور توکل کی کیفیت میں پختگی آتی ہے۔ اسی سے ایک بندۂ مؤمن کو صبر و استقامت کی وہ دولت نصیب ہوتی ہے جو باطل کے مقابلے میں اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہے: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (النحل: ۱۲۷) ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے سہارے پر ہے''۔ چنانچہ راہِ حق کے مسافروں کو یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی ہدایت یہی دی گئی ہے کہ قرآن کی تلاوت کو اپنے شبانہ روز کے معمول میں شامل رکھو! اس سے تمہارا تعلق مع اللہ مضبوط ہوگا اور پھر اسی تعلق کے سہارے حق و باطل کی

(۱) الجامع الصغیر للسیوطی، ح: ۶۲۲۰۔ السلسلة الصحیحة، ح: ۲۰۲۴۔

کشاکش میں تمہیں استقامت نصیب ہوگی۔

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ﴾ ''اور نماز قائم کریں!''

اللہ تعالیٰ کے ہاں نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر پہلی وحی میں ہی اس کی تاکید کر دی گئی تھی: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝۱۴﴾ (طٰہٰ) ''اور نماز قائم کرو میرے ذکر کے لیے۔''

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ﴾ ''یقیناً نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور برے کاموں سے''

﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ﴾ ''اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔''

یہ گویا اوپر دی گئی پہلی ہدایت کے بارے میں مزید وضاحت ہے۔ تلاوتِ قرآن اور نماز دونوں اللہ کے ذکر ہی کے ذرائع ہیں، بلکہ قرآن کو تو خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر میں ''الذکر'' کا نام دیا ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹﴾ ''یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔ جب کہ سورۂ طٰہٰ کی مذکورہ بالا آیت (آیت ۱۴) میں قیامِ نماز کا مقصد بھی یہی بتایا گیا ہے کہ نماز اللہ کے ذکر کے لیے قائم کرو۔ اس کے علاوہ ادعیہ ماثورہ بھی اللہ کے ذکر کا ذریعہ ہیں۔ حضور ﷺ نے ہمیں ہر عمل اور ہر موقع کی دعا سکھائی ہے۔ مثلاً گھر سے نکلنے کی دعا، گھر میں داخل ہونے کی دعا، بیت الخلاء میں جانے کی دعا، باہر آنے کی دعا، شیشہ دیکھنے کی دعا، کپڑے بدلنے کی دعا۔ یعنی ان دعاؤں کو زندگی کا معمول بنا لینے سے ہر لحظہ، ہر قدم اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کے ذہن اور دل کا رشتہ قائم رہتا ہے۔ فرض نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ (۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر) اور دوسرے اذکار کا بھی احادیث میں ذکر ملتا ہے۔ گویا یہ سب اللہ کے ذکر کی مختلف شکلیں ہیں، لیکن سب سے بڑا اور سب سے اعلیٰ ذکر قرآن مجید کی تلاوت ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔''

اے مسلمانو! یہ یقین اپنے دلوں میں پختہ کر لو کہ اللہ تمہاری ہر حرکت، ہر عمل بلکہ تمہارے خیالات اور تمہاری نیتوں تک سے باخبر ہے —— اس کے بعد دوسری ہدایت:

آیت ۴۶ ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۡ﴾ ''اور اہل کتاب

سے جھگڑا مت کرو مگر بہترین طریقے سے‘‘

ان کو دعوت دیتے ہوئے اچھے طریقے سے ان سے گفتگو کرو۔ تمہاری گفتگو میں نہ تو ان کی توہین کا انداز ہو اور نہ ہی ان کی عصبیتِ جاہلی کو بھڑکنے کا موقع ملتا ہو۔ بہرحال اپنا پیغام احسن طریقے سے ان تک پہنچا دو۔ اس کے بعد وہ اپنے نظریے اور عمل کے لیے اللہ کے ہاں خود ذمہ دار ہیں۔

﴿اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡہُمۡ﴾ ’’سوائے اُن کے جو اُن میں سے ناانصافی پر تُل جائیں‘‘

اس استثناء کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں غیر منصفانہ طرزِ عمل دکھانے والے افراد سے مجادلہ کرنے کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے‘ اور دوسرے یہ کہ دورانِ گفتگو ایسے لوگوں کی ہٹ دھرمی کے سبب ان کے ساتھ کسی حد تک سخت رویہ اختیار کرنے کی بھی اجازت ہے۔ بہرحال اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے تو اس کے ساتھ بحث و تمحیص میں یہ دونوں صورتیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ یعنی اس کا غیر منصفانہ رویہ دیکھتے ہوئے اس کے ساتھ کچھ سخت جملوں کے تبادلے کی نوبت بھی آ سکتی ہے اور اس کے بعد مزید گفتگو کرنے سے اعراض بھی برتا جا سکتا ہے۔

﴿وَقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَاُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ﴾ ’’اور (ان سے) کہیے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اس پر بھی جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ لوگوں پر نازل کیا گیا‘‘

﴿وَاِلٰـہُنَا وَاِلٰـہُکُمۡ وَاحِدٌ وَّنَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ﴿۴۶﴾﴾ ’’اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم تو اسی کے سامنے سر جھکا چکے ہیں۔‘‘

آیت ۴۷ ﴿وَکَذٰلِکَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ ؕ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی ہے۔‘‘

﴿فَالَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ ۚ﴾ ’’تو جن لوگوں کو ہم نے (اس سے پہلے) کتاب دی تھی وہ بھی اس پر ایمان لائیں گے۔‘‘

یعنی یہود و نصاریٰ میں سے بھی ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن کو اللہ کا کلام مانتے ہوئے اس پر ایمان لائیں گے۔ جیسا کہ قبل ازیں ہم سورۃ القصص کے چھٹے رکوع میں حبشہ سے مکہ

آنے والے ان مسلمانوں کا ذکر پڑھ چکے ہیں جو پہلے عیسائی تھے‘ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تبلیغ سے حضور ﷺ پر ایمان لے آئے اور یوں اللہ تعالیٰ کے ہاں دوہرے اجر کے مستحق ٹھہرے۔

﴿وَمِنۡ ہٰۤؤُلَآءِ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِہٖ ؕ﴾ ’’اور ان (مشرکین مکہ) میں سے بھی بہت سے لوگ اس پر ایمان لا رہے ہیں۔‘‘

﴿وَمَا یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الۡکٰفِرُوۡنَ﴿۴۷﴾﴾ ’’اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے سوائے اُن لوگوں کے جو کفر پر اَڑ گئے ہیں۔‘‘

یہاں سے آگے اب دوسرا مضمون شروع ہو رہا ہے جس میں روئے سخن مشرکین مکہ کی طرف ہے۔ ان لوگوں کے لیے یہاں نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت کی ایک اور دلیل بیان کی جا رہی ہے۔ سورت کے اس حصے میں ساتھ ساتھ چلنے والے دو موضوعات کو قبل ازیں رسی کی دو ڈوریوں سے تشبیہہ دی گئی تھی۔ اس ضمن میں یوں سمجھیں کہ اب کچھ دیر کے لیے دوسری ڈوری نمایاں ہو رہی ہے۔

آیت ۴۸ ﴿وَمَا کُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِہٖ مِنۡ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیۡنِکَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ﴿۴۸﴾﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) آپ تو اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی آپ اپنے داہنے ہاتھ سے اسے لکھتے تھے‘ (اگر ایسا ہوتا) تب تو یہ جھٹلانے والے ضرور شک کرتے۔‘‘

قرآن نازل ہونے سے پہلے تو آپ ﷺ ان لوگوں کو کوئی کتاب پڑھ کر نہیں سناتے تھے اور نہ ہی آپؐ کوئی کتاب خود اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے‘ بلکہ دُنیوی اعتبار سے تو آپؐ نے نہ کوئی تعلیم حاصل کی ہے اور نہ ہی آپؐ نے پڑھنا لکھنا سیکھا ہے۔ ہاں اگر ایسا ہوتا تو قرآن کو باطل قرار دینے والوں کے لیے اس کے بارے میں شک کی کچھ گنجائش پیدا ہو سکتی تھی کہ جی ہاں! یہ حضرت تو پرانے لکھاری ہیں‘ روز روز کی مشق سے قلم میں زور اور تحریر میں نکھار آتا گیا اور رفتہ رفتہ یہ سلسلہ یہاں تک پہنچ گیا کہ انہوں نے قرآن جیسا بلند پایہ کلام لکھنا شروع کر دیا ہے۔

آیت ۴۹ ﴿بَلۡ ہُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ ؕ﴾ ’’بلکہ یہ تو روشن آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا ہے۔‘‘

سابقہ الہامی کتابوں کا علم رکھنے والے لوگ قرآن کی آیات بینات کو خوب پہچانتے ہیں۔

﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾﴾ ''اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو ظالم ہیں۔''

آیت ۵۰ ﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں نازل کی گئیں ان پر نشانیاں ان کے رب کی طرف سے؟''

مشرکینِ مکّہ آئے دن یہ مطالبہ دہراتے رہتے تھے کہ اگر آپؐ نبی ہیں تو آپؐ کو معجزات کیوں نہیں دیے گئے؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں بھی ان کا یہ مطالبہ تکرار کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''آپؐ کہیے کہ نشانیاں (نازل کرنے کے اختیارات) تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔''

﴿وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾﴾ ''اور میں تو صرف واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔''

آیت ۵۱ ﴿اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ﴾ ''کیا ان کے لیے یہ (نشانی) کافی نہیں کہ ہم نے آپؐ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے!''

اگر یہ معجزہ کے منتظر ہیں تو انہیں قرآن جیسا عظیم الشان معجزہ کیوں نظر نہیں آتا؟ کیا ہم نے انہیں بار بار چیلنج نہیں کیا کہ اس جیسا کلام تم لوگ بھی بنا کر دکھاؤ؟ اور کیا یہ لوگ اس چیلنج کا جواب دینے سے عاجز نہیں ہیں؟ اگر کوئی شخص واقعی حق اور ہدایت کا طالب ہو تو اس کے لیے یہی ایک معجزہ کافی ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''یقیناً اس میں رحمت اور یاددہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔''

آیت ۵۲ ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی ہے بطورِ گواہ۔''

وہ خوب جانتا ہے کہ اس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے' اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس نے قرآن جیسا بصیرت افروز معجزہ مجھے عطا فرمایا ہے۔

﴿يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''اور وہ لوگ جو باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کا کفر کرتے ہیں' یقیناً وہی خسارہ پانے والے ہیں۔''

آیت ۵۳ ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ﴾ ''یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں عذاب کی۔ اور اگر (پہلے سے) ایک وقتِ معیّن طے نہ ہو چکا ہوتا تو ضرور ان پر عذاب آ چکا ہوتا۔''

﴿وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''اور وہ ان پر اچانک آ جائے گا اور انہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔''

آیت ۵۴ ﴿يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ﴾ ''یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔''

یہ جملہ پھر سے دہرایا گیا ہے' یہ بہت لطیف انداز ہے۔

﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾﴾ ''حالانکہ جہنم ان کافروں کا گھیراؤ کر چکی ہے۔''

جہنم کی آگ ایک غیر مرئی چیز ہے' اس لیے انہیں یہ نظر نہیں آ رہی' لیکن حقیقت میں یہ انہیں چاروں طرف سے گھیر چکی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی مخالف فوج کسی شہر کی فصیل کے قریب پہنچ کر شہر کا محاصرہ بھی کر لے لیکن شہر کے باسیوں کو اس کی خبر ہی نہ ہو۔

آیت ۵۵ ﴿يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ ''جس دن عذاب ڈھانپ لے گا انہیں اوپر سے بھی اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی''

﴿وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''اور کہا جائے گا کہ اب چکھو مزہ اپنے کرتوتوں کا۔''

اب اگلی آیت میں خطاب کا رخ پھر اہل ایمان کی طرف پھیرا جا رہا ہے اور راہِ حق کے مجاہدین کو تیسری ہدایت دی جا رہی ہے۔ (پہلی ہدایت آیت ۴۵ میں جبکہ دوسری ۴۶ میں دی جا چکی ہے۔)

آیت ۵۶ ﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾﴾ ''اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! میری زمین بہت وسیع ہے' پس عبادت تم میری ہی کرو۔''

قرآن کے اس اسلوب کے بارے میں ایک نکتہ جو پہلے کئی بار دہرایا جا چکا ہے یہاں پھر ذہن میں تازہ کر لیں کہ مکی دور میں اہل ایمان سے براہِ راست بہت کم خطاب کیا گیا ہے' زیادہ تر انہیں نبی مکرم ﷺ کی وساطت سے ہی مخاطب کیا گیا ہے' جبکہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کی اصطلاح صرف مدنی قرآن میں ملتی ہے۔

یہاں پر یٰعِبَادِیَ کے طرزِ تخاطب میں بہت شفقت اور عنایت کا اظہار پایا جاتا ہے کہ اے میرے بندو! اگر مجھ پر ایمان لانے کی پاداش میں مکہ کی سرزمین میں تمہارا قافیہ تنگ کر دیا گیا ہے' تمہارے لیے اگر یہاں رہنا محال ہو گیا ہے اور ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے مزید ہمت تم لوگوں میں نہیں رہی تو اپنے اس شہر کو چھوڑ دو' کہیں اور چلے جاؤ' میری زمین بہت وسیع ہے۔ اس آیت میں ہجرت کی طرف راہنمائی ہے اور ہجرتِ حبشہ اسی حکم کی روشنی میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔ اب اگلی آیت میں چوتھی ہدایت کا ذکر ہے:

آیت ۵۷ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۫ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾﴾ ''ہر جان موت کا مزا چکھنے والی ہے' پھر تم ہماری ہی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔''

دیکھو! موت تو ایک دن آنی ہی ہے۔ اس دنیا میں نہ کوئی ہمیشہ رہا ہے اور نہ ہی آئندہ کوئی ہمیشہ رہے گا۔ فرض کرو اگر یاسر اور ان کی اہلیہ سُمیّہ رضی اللہ عنہما ابوجہل کے ہاتھوں شہید نہ بھی ہوتے تو کیا ہوتا؟ بس یہی نا کہ چند برس اور جی لیتے۔ موت تو پھر بھی انہیں آنی ہی تھی۔ راہِ حق کے مسافروں کے لیے یہ بہت قیمتی نصیحت ہے۔ اگر یہ اٹل حقیقت انسان کے دل و دماغ میں مستحضر رہے تو انتہائی مشکل اور نامساعد حالات میں بھی اس کی ہمت قائم رہتی ہے اور وہ زندگی بچانے کے لیے حق کا ساتھ چھوڑنے اور باطل کے ساتھ مصالحت کر لینے کی سوچ جیسے شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے —— اور اب پانچویں نصیحت:

آیت ۵۸ ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے اعمال کیے ہم انہیں ضرور جگہ دیں گے جنت کے

بالا خانوں میں''

اے میرے بندو! اگر تم نے میرے لیے اپنی جان جوکھم میں ڈالی ہے تو میرے اس وعدے پر بھی پختہ یقین رکھو کہ میں نے تمہارے لیے جنت اور اس کی بے شمار نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ تمہارے اعمال کے بدلے میں تم لوگوں کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دی جائے گی' جہاں تم رنگا رنگ کی نعمتوں کے درمیان عیش کی زندگی بسر کرو گے۔ جنت کے بالا خانوں کا ذکر سورۃ الفرقان کی اس آیت میں بھی ہوا ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کی جزا میں بالا خانے ملیں گے' ان کا استقبال کیا جائے گا اس میں دعاؤں اور سلام کے ساتھ۔''

﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۵۸﴾﴾ ''جس کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی' اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی اچھا اجر ہو گا عمل کرنے والوں کا!''

اس کے بعد چھٹی ہدایت:

آیت ۵۹ ﴿الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں۔''

اگر تم لوگوں نے اپنے لیے حق کے راستے کا انتخاب کیا ہے تو اس پر چلتے ہوئے باطل سے پنجہ آزمائی کرنے کا مرحلہ بھی آئے گا اور قدم قدم پر مصائب و مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ اس سب کچھ کے مقابلے میں تمہارے پاس دو انتہائی مؤثر ہتھیار ہمہ وقت موجود و دستیاب رہنے چاہئیں' یعنی صبر اور توکّل علی اللہ! بس اس راستے میں جو مشکل اور جو مصیبت بھی آئے اسے جھیلنے اور برداشت کرنے کا عزم اپنے اندر ہر دم تازہ اور بلند رکھو اور بھروسہ رکھو تو صرف اللہ کی ذات پر! اس کٹھن سفر میں نہ تو تم مادی اسباب و وسائل پر نظر رکھو اور نہ ہی اپنی ذہانت و فطانت اور قوت و شجاعت کو لائق اعتناء سمجھو! —— اب ساتویں نصیحت ملاحظہ ہو:

آیت ۶۰ ﴿وَكَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ﴾ ''اور کتنے ہی جاندار ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔''

تمہارے رزق کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ خود ہے' لہٰذا اس کے لیے تم اللہ پر توکّل کرو اور اُس

کے سوا کسی اور کی طرف مت دیکھو۔ دنیا میں کبھی کسی کے بارے میں ایسا مت سوچو کہ وہ ناراض ہو گیا تو تمہاری ضروریات کا کیا بنے گا۔ (۱)

متی کی انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا جو وعظ (پہاڑی کا وعظ) نقل ہوا ہے اس میں یہ مضمون بڑے خوبصورت انداز میں بیان ہوا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے؟ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟ اور پوشاک کے لیے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں۔ تو بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان و شوکت کے ان میں سے کسی کے مانند ملبس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو! تم کو کیوں نہ پہنائے گا؟ اس لیے فکرمند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا کیا پہنیں گے؟ کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں (۲) رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو۔ بلکہ تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راست بازی کو

---

(۱) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
((لَوْاَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرُزِقْتُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا)) (سنن الترمذی، ابواب الزھد، باب فی التوکل علی اللہ)
''اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جیسا کہ اُس پر توکل کا حق ہے تو تمہیں اسی طرح رزق دیا جائے گا جیسے پرندوں کو دیا جاتا ہے، کہ وہ صبح خالی پیٹ (اپنے گھونسلوں سے) نکلتے ہیں اور شام کے وقت پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔''

(۲) 'غیر قوموں' سے حضرت مسیح علیہ السلام کا فر قوموں کو مراد لیتے ہیں۔ یہ قدیم صحیفوں کی ایک معروف اصطلاح ہے۔

تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی۔ پس کل کے لیے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنے لیے آپ فکر کر لے گا۔ آج کے لیے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔''
(متی، باب ۶: ۲۵-۳۴، بحوالہ تدبر قرآن، جلد پنجم، ص ۶۰)

اس ضمن میں یہ نکتہ ذہن نشین کر لیں کہ توکل اور ایمان ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کسی شخص کا اللہ پر ایمان جس قدر پختہ ہوگا، اسی قدر اس کا اُس پر توکل بھی مضبوط ہوگا اور اگر ایمان کمزور ہوگا تو پھر توکل بھی کمزور پڑ جائے گا۔

﴿اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۰﴾ ''اللہ انہیں بھی رزق دیتا ہے اور وہ تم لوگوں کو بھی دے گا، اور یقیناً وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

وہ ہر حاجت مند کی التجا کو سنتا ہے، اسے ہر ایک کی ضرورت کا علم ہے، وہ اپنے ہر بندے کے حالات سے باخبر رہتا ہے، کیا اسے خبر نہ ہوگی کہ میرا فلاں بندہ اس وقت بھوکا ہے؟ کیا اسے معلوم نہ ہوگا کہ میرا فلاں وفادار تمام اسباب کو ٹھکرا کر مجھ پر توکّل کیے بیٹھا ہے؟ بلاشبہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اُس نے کس محتاج کی حاجت روائی کا کیا بندوبست کرنا ہے اور کس بندے کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسے وسیلہ بنانا ہے۔ اب آئندہ آیات میں خطاب کا رخ پھر مشرکینِ مکہ کی طرف ہے۔

آیت ۶۱ ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ﴾ ''اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو اور کس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے!''

﴿فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۶۱﴾ ''تو پھر یہ لوگ کہاں سے لوٹا دیے جاتے ہیں!''

آیت ۶۲ ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ﴾ ''اللہ ہی رزق کشادہ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) اسے نپا تُلا دیتا ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۶۲﴾ ''یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

آیت ۶۳ ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ﴾ ’’اور اگر آپؐ ان سے پوچھیں کہ کس نے برسایا آسمان سے پانی‘ پس اس سے زندہ کر دیا زمین کو اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے!‘‘

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾ ’’آپؐ کہہ دیں کہ کُل شکر اور کُل حمد اللہ ہی کے لیے ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔‘‘

اب اگلی آیت میں اہل ایمان کے لیے ایک اور ہدایت آ رہی ہے:

آیت ۶۴ ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ﴾ ’’اور یہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں۔‘‘

دیکھو مسلمانو! یہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل جیسی ہے۔ اس کی حیثیت تمہارے ایک سٹیج ڈرامے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ جس طرح ڈرامے کا بادشاہ حقیقی بادشاہ نہیں اور سٹیج پر فقیر کا کردار ادا کرنے والا شخص سچ مچ کا فقیر نہیں اسی طرح تمہاری اس زندگی کے تمام کردار بھی حقیقی نہیں۔ حقیقی کردار تو اس سٹیج سے باہر جا کر (موت کے بعد) سامنے آئیں گے۔ عین ممکن ہے یہاں کے شہنشاہ کو وہاں مجرم کی حیثیت میں اٹھایا جائے اور جو شخص یہاں زندگی بھر لوگوں کا معتوب و مغضوب رہا وہاں اسے خلعتِ فاخرہ سے نوازا جائے۔ چنانچہ تم خاطر جمع رکھو! نہ تو یہاں کا عیش اصل عیش ہے اور نہ آج کے مصائب حقیقی مصائب ہیں۔ یہ سب کچھ وقتی‘ عارضی اور فانی ہے۔

﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾﴾ ’’اور آخرت کا گھر ہی یقیناً اصل زندگی ہے۔ کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!‘‘

اس مضمون کا مفہوم اپنے دل میں اُتارنے کے لیے آخری جملے کو اپنے اوپر طاری کر کے یوں کہیں: کاش کہ ہمیں معلوم ہوتا! یہاں یہ اہم نکتہ بھی ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجیے کہ بعث بعد الموت کا صرف مان لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے بارے میں ایسے پختہ یقین کی ضرورت ہے جس کے تحت انسان کے دل کی گہرائیوں میں یہ حقیقت واقعی جاگزیں ہو جائے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔ آخرت کی زندگی کی حقیقت واضح کرنے کے لیے میں نے

اکثر مواقع پر ایک کتاب کی تشبیہہ بیان کی ہے‘ جس کے آغاز میں ایک دیباچہ اور آخر میں ایک ضمیمہ ہوتا ہے۔ عام طور پر ہم دنیادار یہی سمجھتے ہیں کہ دنیا کی زندگی اصل کتاب ہے جبکہ آخرت کی زندگی اس کتاب کا ضمیمہ ہے‘ جبکہ اصل حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی محض ایک دیباچہ ہے اس کتاب کا جو موت کے بعد کھلنے والی ہے‘ بلکہ اگر نسبت تناسب کے پہلو سے دیکھا جائے تو یہ تشبیہہ بھی درست قرار نہیں پاتی۔ درحقیقت دنیا کی زندگی محدود ہے جبکہ آخرت کی زندگی لامحدود ہے اور حق یہ ہے کہ محدود اور لامحدود میں باہم کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ بہرحال ہمیں اپنے محدود ذہن کو سمجھانے کے لیے اس مثال کا سہارا لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اس کے بعد اب خطاب کا رخ پھر مشرکینِ مکّہ کی طرف مڑ گیا ہے۔

آیت ۶۵ ﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ﴾ ’’سو جب یہ لوگ سوار ہوتے ہیں کشتی میں تو پکارتے ہیں اللہ کو اُس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔‘‘

یہ مضمون قرآن میں کئی بار آ چکا ہے۔

﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾﴾ ’’پھر جب وہ انہیں نجات دے دیتا ہے خشکی کی طرف تو جبھی وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔‘‘

آیت ۶۶ ﴿لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ﴾ ’’تاکہ ناشکری کریں ان (نعمتوں) کی جو ہم نے انہیں عطا کر رکھی ہیں۔‘‘

﴿وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۟ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾﴾ ’’اور تاکہ مزے اڑا لیں‘ تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔‘‘

اس دُنیا میں تو یہ لوگ اللہ کی نافرمانیاں بھی کر رہے ہیں اور مزے بھی اُڑا رہے ہیں‘ لیکن عنقریب جب آنکھ بند ہو گی تو اصل حقیقت ان کے سامنے آ جائے گی:

یہی اسلوب اور انداز ہمیں ’’سورۃ التکاثر‘‘ میں بھی نظر آتا ہے: ﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾﴾ ’’تم لوگوں کو غافل رکھا باہم کثرت کی خواہش نے‘ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ ہرگز نہیں! عنقریب

تم جان لو گے۔ پھر ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لو گے۔''

آیت ۶۷ ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا﴾ ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا ہے''

یہاں مخاطب اہل ایمان ہیں لیکن بات مشرکین مکہ کی ہو رہی ہے۔

﴿وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ﴾ ''اور لوگ اُچک لیے جاتے ہیں ان کے اردگرد سے۔''

اللہ نے حدودِ حرم کو امن کی جگہ بنا رکھا ہے جس کی برکات سے یہ لوگ مسلسل مستفیض ہو رہے ہیں جبکہ باقی پورے عرب میں امن وامان نام کی کوئی چیز کہیں نظر نہیں آتی۔

﴿اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾﴾ ''تو کیا یہ لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کر رہے ہیں!''

آیت ۶۸ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ﴾ ''اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا' یا جس نے حق کو جھٹلا دیا جب وہ اس کے پاس آیا!''

کوئی چیز خود گھڑ کر اللہ سے منسوب کرنا اور حق کو پہچان کر جھٹلا دینا دونوں برابر کے جرم ہیں۔ گویا یہاں حضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ اے گروہ مشرکین! دیکھو' اگر میں یہ کلام خود گھڑ کر اسے اللہ سے منسوب کر رہا ہوں تو مجھ سے بڑا کوئی ظالم نہیں (معاذ اللہ!) اور اگر یہ واقعتاً اللہ کا کلام ہے اور اسے میں نے تم لوگوں تک پہنچا دیا ہے اور اس کے بعد تم لوگ اس کی تکذیب کر رہے ہو تو پھر تم سے بڑا ظالم کوئی اور نہیں ہے۔

﴿اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿٦٨﴾﴾ ''تو کیا جہنم میں ٹھکانہ نہیں ہے ان کافروں کا!''

اب آخری آیت میں بڑے تاکیدی انداز میں پھر سے اہلِ ایمان کی دلجوئی فرمائی گئی ہے:

آیت ۶۹ ﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ﴾ ''اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے ہم لازماً ان کی راہنمائی کریں گے اپنے راستوں کی طرف۔''

جو لوگ ہمارے لیے قربانیاں دے رہے ہیں اور ہماری راہ میں جہاد کر رہے ہیں انہیں مطمئن رہنا چاہیے کہ ہم انہیں بے سہارا نہیں چھوڑیں گے' ہم انہیں اپنے راستوں کی بصیرت عطا فرمائیں گے۔ یہ ان سے ہمارا پختہ وعدہ ہے۔

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿٦٩﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

جن لوگوں کا اللہ پر ایمان ہے اور ان کا ایمان ''احسان'' کے درجے تک پہنچ چکا ہے' پھر اللہ کی راہ میں وہ اپنا تن من اور دھن قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار بھی رہتے ہیں' اللہ کبھی انہیں تنہا نہیں چھوڑے گا۔ اس کی تائید و نصرت ہر وقت ان کے ساتھ رہے گی۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى واياكم بالآيات والذِّكر الحكيم○○

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانی تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو/ویڈیو کیسٹس/سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

قرآن حکیم

سے ہمارے

حجاب کے اسباب

رمضان المبارک (۱۴۲۴ھ) کی ۲۷ ویں شب' قرآن اکیڈمی لاہور میں

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب

اَحْمَدُہٗ وَاُصَلِّیْ علٰی رَسولہِ الکریم ..... امَّا بَعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ۝۵﴾ (حٰمٓ السّجدة)

﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۝۴۵ وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾

(بنی اسرائیل:۴۵'۴۶)

تلاوتِ آیات اور ادعیۂ ماثورہ کے بعد:

آج میں خاص طور پر اس مسئلے پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ ہم پر قرآن کی تاثیر کارگر نہیں؟ قرآن سن کر ہمارے دلوں پر اثر کیوں نہیں ہوتا؟ کیا ہمارے اور قرآن کے مابین کوئی حجاب حائل ہے؟ سورۂ فُصّلت (حٰمٓ السجدۃ) میں کفارِ مکہ کا قول نقل ہوا ہے: ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ﴾ ''اور انہوں نے (اللہ کے رسول ﷺ سے) کہا: (اے محمد!) ہمارے دل پردوں اور غلافوں میں بند ہیں' اُن

چیزوں کے اعتبار سے جن کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں'' ﴿وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ ''اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے'' یعنی آپ کی بات ہمارے کانوں میں اترتی نہیں۔ ﴿وَمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ﴾ ''اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ حائل ہے'' ﴿فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ۝۵﴾ ''پس تم جو چاہو کرلو' ہم اپنی سی کوشش کر رہے ہیں''۔ مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی بات کارگر نہیں ہو گی۔ خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۝۴۵﴾

''اور (اے نبی ﷺ!) جب آپ قرآن پڑھ کر سناتے ہیں تو ہم آپ کے اور اِن لوگوں کے درمیان جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے' ایک غیر مرئی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾

''اور اُن کے دلوں کے اوپر پردے حائل کر دیتے ہیں کہ اسے سمجھ نہ پائیں اور ان کے کانوں کے اندر ثقل اور بوجھ پیدا کر دیتے ہیں۔''

ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ کہیں آج اُمتِ مسلمہ ان آیات کی مصداق تو نہیں بن گئی ہے (معاذ اللہ)' کیونکہ قرآن کی اثر انگیزی کے بارے میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ بے شمار واقعات ہیں کہ کئی لوگ وفد کی صورت میں حضور ﷺ کے پاس آئے۔ اس وفد کو جب قرآن سنایا گیا تو اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہہ نکلیں۔ قرآن کی تاثیر کا یہ عالَم سورۃ المائدۃ میں بایں الفاظ بیان ہوا ہے:

﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ۝۸۳﴾

''جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے

اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار! ہم ایمان لائے' پس تو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔''

اسی طرح ایک وفد حبشہ سے آیا تھا' اس کا تذکرہ سورۃ القصص میں موجود ہے:

﴿وَاِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِہٖۤ اِنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّنَاۤ ......﴾ (آیت ۵۳)

''اور جب اُن پر (قرآن کی آیات) تلاوت کی گئیں تو وہ کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے کہ یہ ہمارے ربّ کی طرف سے حق ہے......''

جنات کے بارے میں بھی آیا ہے کہ وہ ایک مرتبہ ہی قرآن سن کر ایمان لے آئے:

﴿...... فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ﴾ (الجن: ۱'۲)

''......تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے ایک خوبصورت قرآن سنا ہے' جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے' پس ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔''

صرف یہی نہیں کہ ایمان لائے ہوں بلکہ قرآن کے داعی اور مبلغ بھی بن گئے اور اپنی قوم سے جا کر کہا:

﴿یٰقَوۡمَنَاۤ اَجِیۡبُوۡا دَاعِیَ اللّٰہِ وَ اٰمِنُوۡا بِہٖ ......﴾ (الاحقاف: ۳۱)

''اے ہماری قوم! اللہ کی طرف پکارنے والے کی پکار پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لاؤ......''

قرآن کے پس منظر میں جانے کے اسباب

ایک طرف قرآن کی تاثیر کا یہ عالم ہے اور ایک طرف ہم ہیں کہ قرآن سے متاثر نہیں ہوتے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ اس موضوع پر میرا ایک چھ صفحات پر مشتمل مختصر اور جامع مضمون میری کتاب ''دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر'' میں ''قرآنِ حکیم قرنِ اوّل میں اور اس کے بعد'' کے عنوان سے شامل ہے۔ اس میں مَیں نے یہ بات بیان کی ہے کہ اسلام جب ایک تحریک کے دَور میں تھا' اُس وقت تحریک کو دعوت' جہاد اور قتال کے مراحل درپیش تھے' ابھی ریاست کی شکل نہیں بنی تھی' اس لیے اس مرحلے

میں زیادہ زور ایمان اور قرآن پر تھا۔ لیکن جب اسلام نے ریاست کی شکل اختیار کر لی اور اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو اب قانون اور اسلام کی اہمیت زیادہ ہوگئی۔ چنانچہ ایک Natural shift of emphasis ہوا ہے' کیونکہ دعوت اور تحریک کے دَور میں ترجیحات کچھ اور ہوتی ہیں اور جب ایک اسلامی ریاست وجود میں آ جاتی ہے تو تقاضے بدل جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ریاست کا ایک حدود اربعہ ہوتا ہے' دفاع ہوتا ہے' قانون ہوتا ہے' یہ طے کرنا ہوتا ہے کہ کون مسلمان ہے' کون نہیں ہے؟ کس کے کیا حقوق ہیں؟ شہریت کے کیا لوازم ہیں؟ ان مسائل پر توجہ کے باعث یہ بالکل قدرتی امر تھا کہ قرآن خود بخود ایک درجہ پس منظر میں چلا گیا۔ ہم نے پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کا ایک مضمون بھی شائع کیا تھا جس میں انہوں نے قرآن مجید کے پس منظر میں جانے کے بہت سے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہمارے ہاں بادشاہوں' جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے شعوری طور پر کوشش کی ہے کہ قوم کی توجہ قرآن سے ہٹ جائے۔ اس لیے کہ قرآن تو اُن کی مذمت کرتا ہے اور مستضعفین کی حمایت کرتا ہے۔ جیسے ارشادِ ہوا:

﴿وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ ۙ﴿۲﴾ یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ ۚ﴿۳﴾ کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَۃِ ۫﴿۴﴾﴾ (الھُمزۃ)

''بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لیے جو لوگوں کے عیب چنتا ہے اور طعنے دیتا رہتا ہے جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشگی عطا کر دے گا۔ ہرگز نہیں' وہ شخص تو چکنا چور کر دینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا۔''

اس لیے انہوں نے چاہا کہ لوگ صرف قرآن کی تلاوت کر لیا کریں' اسے سمجھا نہ کریں۔ سمجھیں گے تو ہماری تصویر سامنے آ جائے گی' ہمارے خلاف ردّعمل پیدا ہوگا اور لوگ ہمارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔ لہٰذا قرآن کو پس منظر میں جانے دو' بلکہ اس کو بالفعل پس منظر میں لے جانے کی کوشش کرو اور ان کی توجہ کسی اور شے پر لگا دو۔ انہیں

تصوف کے راستے پر لگا دو‘ کسی علمی جدوجہد میں لگا دو‘ لیکن قرآن سے دُور رکھو۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے‘ یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے‘ جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں‘ وہ فرماتے ہیں:

((حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وِعَاءَيْنِ ‘ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهٗ فِيْكُمْ ‘ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ لَقُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ))(۱)

’’میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن بھر لیے تھے‘ ایک برتن میں سے تو میں نے تمہارے مابین خوب علم تقسیم کر دیا (عام کر دیا‘ تمہیں پڑھا دیا‘ سکھا دیا) لیکن اگر میں دوسرے برتن کے علم کو عام کروں تو میری یہ گردن اڑا دی جائے گی۔‘‘

اسلام کا ایک علم عبادات کا علم ہے۔ یعنی وضو کا علم کہ وضو کیسے کیا جاتا ہے‘ وضو کیسے ٹوٹتا ہے‘ نواقض وضو کیا ہیں۔ اور طہارت کا علم کہ غسل کی حاجت کب ہوتی ہے‘ غسل کی شرائط کیا ہیں‘ غسل کے لوازم کیا ہیں‘ اس کے فرائض کیا ہیں۔ پھر نمازوں کے قواعد و ضوابط ہیں۔ پھر یہ کہ کون سا پانی پاک اور کون سا ناپاک ہوتا ہے۔ یہ عبادات کا علم آج بھی خوب عام ہوتا ہے۔ سعودی عرب کے ٹیلی ویژن سے اس علم کے مسائل پر بڑے بڑے پروگرام چلتے رہتے ہیں۔ جبکہ علم کی ایک دوسری قسم یہ ہے کہ اسلامی ریاست کیسی ہوتی ہے؟ اسلام کا نظامِ حکومت کیسا ہوتا ہے؟ اسلام میں سرمایہ داری کا کیا مقام ہے؟ اسلام میں جاگیرداری کا بھی کوئی مقام ہے یا نہیں؟ کیا بیت المال بادشاہوں کی ذاتی جاگیر ہوتی ہے؟ اہلِ علم کی ایک رائے کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اشارہ بعض ان احادیث کی طرف ہے جو سیاست و خلافت سے متعلق تھیں۔ ان روایات کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں یہ روایات بیان کروں گا تو اسے برداشت نہیں کیا جائے گا اور میری یہ گردن کاٹ دی جائے گی۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ ہماری حدیث کی کتابیں عبادات کے علم سے تو بھری پڑی ہیں‘ ان میں کتاب الطہارۃ‘ کتاب المیاہ‘ کتاب الصلاۃ‘ کتاب الصوم‘ کتاب الحج‘ عبادات کے یہ سارے معاملات موجود ہیں‘

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب العلم‘ باب حفظ العلم‘ حدیث ۱۱۷

لیکن کچھ معاملات جس قدر تفصیل سے ہونے چاہئیں اس تفصیل سے موجود نہیں۔ بعینہٖ اسی حوالے سے قرآن مجید کو بھی پیچھے دھکیلا گیا ہے۔

اب آیئے موجودہ حالات کی طرف کہ آج قرآن کے پس منظر میں جانے کی صورت کیا ہے! ایک تو وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سمجھتے نہیں‘ صرف ثواب حاصل کرنے کے لیے پڑھتے ہیں۔ عجمی لوگ اکثر و بیشتر تو وہی ہیں جو قرآن کو سمجھتے ہی نہیں اور اس کے لیے ان کے پاس سب سے بڑی دلیل ’’ثواب‘‘ کی ہے‘ کیونکہ ان کے ہاں وہ حدیثیں عام کر دی گئی ہیں کہ ایک حرف پڑھو گے تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ چنانچہ انہیں سمجھنے سے سروکار نہیں ہے‘ کیونکہ ان کے نزدیک صرف پڑھنا اور تلاوت کرنا اصل ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن حکیم کے ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور ’’الٓمٓ‘‘ کو ایک حرف نہ سمجھنا‘ ’’الف‘‘ ایک حرف ہے ’’لام‘‘ ایک حرف ہے‘ ’’میم‘‘ ایک حرف ہے۔ گویا تم نے ’’الٓمٓ‘‘ پڑھا تو تیس نیکیاں تمہارے حساب میں درج ہو گئیں۔ حدیثِ نبویؐ سر آنکھوں پر‘ میں اس حدیث کی نفی نہیں کرتا‘ لیکن اس طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے کہ آیاتِ قرآنی کو نہ سمجھنے سے کوئی debit (نقصان یا گناہ) بھی ہوتا ہے یا نہیں! کریڈٹ (credit) تو ہم گنتے جا رہے ہیں کہ ہم نے اتنا ثواب حاصل کر لیا‘ ختم قرآن کر لیا۔ لوگ گنتی کرتے ہیں کہ ہم نے رمضان میں اور اعتکاف میں اتنے قرآن ختم کر لیے۔ آپ ڈھیروں کریڈٹ تو جمع کر رہے ہیں‘ لیکن قرآن کو نہ سمجھنے کا کوئی debit بھی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس طرزِ عمل کی وجہ سے ساتھ ساتھ آپ کا کریڈٹ ختم ہو رہا ہو اور debit بڑھ رہا ہو؟ میں نے ۱۹۶۸ء میں جب ’’مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق‘‘ کے عنوان سے کتاب لکھی تھی‘ جو کہ مسجد خضراء سمن آباد میں کی گئی تقریروں پر مبنی ہے‘ تو کچھ عرصے بعد ۱۹۷۰ء کا پورا رمضان المبارک میں نے مدینہ منورہ میں گزارا۔ آخری عشرے میں مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ وہاں مسجد نبویؐ میں اعتکاف کے لیے آ گئے۔ میں نے اپنا یہ کتابچہ ان کو دیا کہ مولانا صاحب! میں اس کو بڑے پیمانے پر عام کرنا چاہتا ہوں‘ آپ اس کو دیکھ لیجیے‘

اگر کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے تو نشاندہی کر دیں تا کہ اس کی اصلاح ہو جائے اور میں اس کو بڑے پیمانے پر شائع کر سکوں۔ انہوں نے حالتِ اعتکاف میں وہ کتابچہ پڑھا اور ایک جگہ اصلاح کی۔ اس کتابچے میں میں نے قرآن مجید کے تیسرے حق ''تذکّر و تدبّر'' کے ضمن میں لکھا تھا:

''.....بغیر فہم کے مجرد تلاوت کا جواز ایسے لوگوں کے لیے تو ہے جو پڑھنے لکھنے سے بالکل محروم رہ گئے ہوں اور اب تعلیم کی عمر سے بھی گزر چکے ہوں۔ ایسے لوگ اگر ٹوٹے پھوٹے طریق پر تلاوت کر لیں تو بھی بہت غنیمت ہے اور اس کا ثواب انہیں ضرور ملے گا۔ بلکہ ایک ایسا اَن پڑھ شخص جو ناظرہ بھی نہ پڑھ سکتا ہو اور اب اس کے لیے اس کا سیکھنا بھی ممکن نہ ہو' اگر اس یقین کے ساتھ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے' اسے کھول کر بیٹھتا ہے اور محبت و عقیدت اور احترام و تعظیم کے ساتھ اس کی سطور پر محض انگلی پھیرتا رہتا ہے تو اس کے لیے اس کا یہ عمل بھی یقیناً موجب ثواب و برکت ہوگا' لیکن پڑھے لکھے لوگ جنہوں نے تعلیم پر زندگیوں کا اچھا بھلا عرصہ صرف کر دیا ہو اور دنیا کے بہت سے علوم و فنون حاصل کیے ہوں' مادری ہی نہیں غیر ملکی زبانیں بھی سیکھی ہوں' اگر قرآن مجید کو بغیر سمجھے پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن مجید کی تحقیر و توہین اور تمسخر و استہزاء کے مجرم گردانے جائیں۔ ایسے لوگوں کو تلاوتِ قرآن کا کوئی ثواب نہیں ملے گا.....''

انہوں نے یہ اصلاح تجویز کی کہ:

''.....اگر قرآن کو بغیر سمجھے پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن کی تحقیر و توہین اور تمسخر و استہزاء کے مجرم گردانے جائیں اور اس اعراض عن القرآن کی سزا تلاوت کے ثواب سے بڑھ جائے.....''

مولانا مرحوم کا مشورہ بہت عمدہ تھا۔ اس سے مضمون اور نکھر گیا۔ کیونکہ یہ اعراض ہی تو ہے کہ ایم اے کیا' پی ایچ ڈی کی' فزکس اور کیمسٹری میں سپیشلائزیشن کیا' اتنے عرصے تک پڑھتے رہے' لیکن اتنی عربی نہ سیکھ سکے کہ قرآن کا مفہوم براہِ راست سمجھ سکیں۔ ایسے لوگوں کے پاس روزِ محشر کیا دلیل ہوگی' کیا عذر ہوگا؟ جیسے اقبال نے کہا ہے ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

آپ تصور کریں کہ حشر کی گھڑی قائم ہو چکی ہے' اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھ رہا ہے کہ تم نے عربی کیوں نہیں سیکھی تھی اور قرآن کیوں نہیں سمجھا تھا؟ تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟ ظاہر ہے کوئی جواب نہیں ہوگا اور اس اعراض عن القرآن کی سزا کے طور پر سارا ثواب صاف ہو جائے گا اور گرفت بڑھتی چلی جائے گی۔

یہاں تک عجمی لوگوں کا معاملہ تو سمجھ میں آ گیا کہ عربی نہ سیکھی لہٰذا قرآن سمجھ میں نہ آیا' لیکن آج عربوں کو کیا ہوا؟ قرآن تو اُن کی زبان میں نازل ہوا ہے' ان پر قرآن کی تاثیر کیوں ظاہر نہیں ہو رہی؟ یہ وہ سوال ہے جس کے جواب سے مسئلہ آپ کے سامنے پوری طرح نکھر کر سامنے آ جائے گا۔ کیونکہ اگر قرآن اور ہمارے درمیان صرف عربی زبان کا حجاب ہے تو قرآن کی تاثیر آج عربوں پر کیوں نہیں ہے؟ تاثیر ہوتی تو آج وہاں یقیناً اسلام کا نظامِ عدل و قسط قائم ہوتا' اسلام کا بول بالا ہوتا۔ لیکن صورتِ واقعہ یہ ہے کہ آج مغربی تہذیب میں جس قدر عرب غرق ہیں ہم نہیں ہیں۔ شمالی افریقہ کے پورے ساحل پر دینی اور اخلاقی اعتبار سے بدترین قومیں آباد ہیں' جن کی زبان عربی ہے۔ الجزائر' تیونس اور لیبیا کے رہنے والوں کی تو اپنی زبان عربی ہے' لیکن ان پر قرآن کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ وہ اہم نکتہ ہے جسے میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

مکّی قرآن سے ہمارے حجابات

پیش نظر مسئلے کا میں نے تجزیہ کیا تو پہلی بات یہ سامنے آئی کہ ہم قرآن حکیم کے ایک بڑے حصے کو اپنے سے غیر متعلق (irrelevent) سمجھتے ہیں۔

<u>پہلا حجاب:</u>

ہم مکی قرآن پڑھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ساری باتیں کفر اور کفار کی ہو رہی ہیں'

جبکہ ہم مسلمان ہیں‘ اپنے تئیں پکے مؤمن ہیں‘ ہمارا اس سے کیا سروکار؟ وہ ساری بحثیں ہم غیر متعلق سمجھتے ہیں کہ یہ تو دیوی دیوتاؤں کے شرک کی باتیں ہو رہی ہیں۔ لات وعزیٰ سے بھلا ہمارا کیا سروکار؟ ہم ان کے پوجنے والے نہیں۔ اس لیے یہ ساری بحثیں ہم سے غیر متعلقہ قرار پاتی ہیں۔ اسی طرح قصص النبیین ہمارے لیے ’’اساطیر الاوّلین‘‘ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں ہمارا طرزِ عمل یہ ہے کہ وہ بہت اچھے لوگ تھے‘ وہ نبی تھے‘ ہم غیر نبی ہیں۔ اس لیے انبیاء کا تذکرہ ہمارے لیے غیر متعلق ہے۔ انباء الرسل اس لیے غیر متعلقہ ہیں کہ اب کوئی رسول نہیں آئے گا‘ اس لیے کسی قوم پر عذابِ ہلاکت بھی نہیں آ سکتا‘ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾﴾ (بنی اسرائیل) ’’ہم جب تک رسول نہ بھیجیں ہمارا عذاب نہیں آ سکتا‘‘۔ نہ اب رسول آئے گا‘ نہ عذاب آئے گا۔ چنانچہ یہ قصے بھی محض تاریخی حیثیت کے حامل ہیں‘ ان کا عملی طور پر کوئی تعلق ہم سے نہیں۔ ہاں کہیں اخلاق کی بات آ گئی‘ سچ بولنے کی تاکید آ گئی‘ جھوٹ کی مذمت آ گئی تو اسے ہم نے سمجھا کہ اس کا کوئی تعلق ہم سے ہے۔ اس کے علاوہ یہ جو پورا مکّی قرآن ہے اس کے متعلق ہم اس مغالطے میں مبتلا ہیں کہ اس کا ہم سے کوئی تعلق سرے سے ہے ہی نہیں۔

دوسرا حجاب:

ایمانیات کی بحث کو بھی ہم اپنے سے متعلق نہیں سمجھتے‘ حالانکہ ہمارے پاس حقیقی ایمان نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہ ایک موروثی عقیدہ (Racial Creed) ہے‘ اس کے ساتھ یقین کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ صرف قانونی ایمان ہے‘ جو آج اکثریت کو حاصل ہے۔ لیکن قانونی ایمان کی آخرت میں کوئی حیثیت نہیں‘ وہاں انسان کو حقیقی ایمان کے اعتبار سے پرکھا جائے گا۔ اس لیے مکّی قرآن میں ایمان کی بحثیں سمجھنا بھی ضروری ہیں‘ جن میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے دلائل دیئے گئے ہیں۔ لیکن ہمارا یہ زعم کہ ہم تو صاحب ایمان ہیں‘ ہمارے اور قرآن کی ان طویل بحثوں کے درمیان حجاب بن گیا ہے۔

تیسرا حجاب:

نزولِ قرآن کے وقت شرک کی جو صورتیں موجود تھیں آج ان کے علاوہ بھی شرک کی بہت سی شکلیں ہیں جن میں ہم مبتلا ہیں۔ مثلاً سیاسی شرک۔ نفس پرستی کا شرک تو خود قرآن میں بیان ہوا ہے: ﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ (الجاثیۃ:۲۳) ’’(اے نبی ﷺ!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟‘‘ لیکن ہم خود کو شرک سے بالکلیہ بَری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم آج بھی اسی دیوی دیوتاؤں اور بُت پرستی والے شرکِ قدیم میں مبتلا ہے۔ غور کیجیے یہ مزاروں پر کیا ہو رہا ہے؟ اس میں اور بُت پرستی میں کیا فرق ہے؟ صرف ایک چیز کی کسر ہے کہ مورتی سامنے نہیں بنی ہوتی۔ اگر قومِ نوح نے اپنے اولیاء اللہ ’’وَدّ‘ سُوَاع‘ یَغُوث‘ یَعُوق‘ نَسْر‘‘ کے مجسمے تراش لیے تھے تو کیا یہ سب کچھ ہم اپنے اولیاء اللہ کے ساتھ نہیں کر رہے؟ ان سے ’’شَيْئًا لِلّٰهِ‘‘ کہہ کر مانگتے نہیں ہیں؟ ان سے یہ نہیں کہتے کہ اَغِثْنِیْ ’’میری فریاد سنئے اور میری مدد کیجیے!‘‘ کیا ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ وہ ہمیں اللہ سے چھڑا لینے والے ہیں؟ جیسے کفار و مشرکین کہا کرتے تھے: ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس:۱۸) ’’یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے‘‘۔ کیا ہمارے عوام کی عظیم اکثریت اس توہماتی شرک میں مبتلا نہیں ہے؟ کیا ہمارے ایلیٹ کلاس کے لوگ‘ ٹاپ کلاس کے قائد داتا دربار پر حاضری نہیں دیتے؟ اس سے کس شرک کی تائید ہوتی ہے؟ کوئی مہم (Campaign) شروع کرنی ہو تو داتا دربار پر حاضری دیتے ہیں۔ کوئی فائل کھل گئی ہے تو داتا دربار پر چادر چڑھا رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں اُس زمانے کا جو شرک بیان ہوا ہے وہ شرک آج بھی ہمارے ہاں جوں کا توں موجود ہے۔

ایک اور بات بہت ڈرتے ڈرتے کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے رسولوں کے ساتھ جو گستاخیاں ہوئیں کہ کسی کو خدا کا بیٹا بنا دیا گیا‘ کسی کو کچھ اور بنا دیا گیا‘ کیا ہم محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہی کچھ نہیں کر رہے؟ ’’سرورِ دو عالَم‘‘ اور ’’شہنشاہِ دو عالَم‘‘ کے کیا معانی ہیں؟ یہ شان تو صرف اللہ کی ہے۔ قرآن تو کہتا ہے: ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖ

اَحَدًا﴿۲۶﴾ (الکھف) اور ﴿وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ﴾ (بنی اسرائیل:۱۱۱) یعنی اللہ کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں مَیں تو بندہ ہوں' غلام ہوں۔ آپؐ غلاموں کی طرح اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ عبدیت میرے سر کا تاج ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ.....﴾ (بنی اسرائیل:۱) ''پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات اپنے بندے (محمد ﷺ) کو لے گئی.....'' ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ﴾ (الکھف:۱) ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر کتاب (قرآن) نازل کی''۔ ﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ﴾ (الفرقان:۱) ''بہت بارکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر فرقان (قرآن مجید) اتارا''۔ اور آج ہم نے حضور ﷺ کو کیا بنا لیا ہے؟ یہ غور کرنے کی باتیں ہیں۔ حضور ﷺ کا اپنا عالَم تو یہ تھا کہ آپؐ دعا مانگا کرتے تھے: ((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ اَمَتِکَ)) کہ اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں' میرا باپ بھی تیرا ادنیٰ غلام تھا' اور میری ماں بھی تیری ادنیٰ کنیز' ادنیٰ لونڈی تھی ((فِیْ قَبْضَتِکَ)) میرا پورا وجود تیرے قبضۂ قدرت میں ہے ((نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ)) میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے ((مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ)) میرے پورے وجود میں تیرا حکم جاری وساری ہے ((عَدْلٌ فِیَّ قَضَاءُکَ))[1] میرے بارے میں جو فیصلہ تو کرے گا وہ عدل ہوگا۔ حضور ﷺ کے ہاں عبدیت وعجز کا یہ عالَم ہے۔ قرآن میں آتا ہے: ﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾ (یوسف:۴۰ و ۶۷) ''بادشاہی اللہ کے سوا کسی کی نہیں''۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی خلیفہ تھے۔ جب اسلامی ریاست کی تشکیل ہوگئی تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی خلیفہ تھے۔ یعنی آپؐ اللہ کے خلیفہ تھے' اللہ کے بندے تھے' اللہ کے رسول تھے۔ کلمۂ شہادت میں بھی آپؐ کی عبدیت کا اقرار ہے: ''اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ''۔ یہ تو ایک لفظ ہے

(۱) صحیح ابن حبان' ح ۹۷۲۔ الترغیب والترھیب للمنذری: ۵۷/۳ راوی: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

''سرورِ دو عالَم'' جس کی طرف شاید کسی کا خیال بھی نہ گیا ہو' لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم نے کسی گمراہی کو چھوڑا نہیں۔

اسی طرح کفار کا ذکر ہو تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تو پچھلوں کی باتیں ہیں۔ یہ ابوجہل کا مسئلہ ہے' یہ ابولہب کا تذکرہ ہے' اس کا ہم سے کیا سروکار! حالانکہ ہمیں ان کے کفر اور طرزِ عمل سے بچانے کے لیے اُن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

مدنی قرآن سے ہمارے حجابات

پہلا حجاب:

اب مدنی قرآن کی طرف آیئے! اس میں نفاق کے بارے میں کتنی مفصّل بحثیں ہیں۔ کیا کسی نے کبھی سوچا کہ مجھ سے اس بحث کا کیا تعلق ہے' جبکہ ان بحثوں پر پوری پوری سورتیں (المنافقون' التوبۃ اور النساء) موجود ہیں۔ سورۃ التوبہ اور سورۃ النساء میں تو نفاق کی طویل ترین بحثیں آئی ہیں۔ لیکن ہم تو بزعمِ خود مؤمن ہیں' اس لیے یہ ہم سے متعلق نہیں ہیں۔ جبکہ نفاق وہ روگ اور وہ بیماری ہے جس سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھنا چاہیے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے نفاق کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ((مَا خَافَہٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا اَمِنَہٗ اِلَّا مُنَافِقٌ)) یعنی نفاق کا صرف مؤمن اندیشہ رکھتا ہے کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہوگیا اور صرف منافق ہی اس سے اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتا ہے کہ نفاق کا مجھ سے کیا سروکار؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ شان ہے کہ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا' اور جس راستے سے عمر چلتا ہے شیطان اس راستے سے کنی کترا جاتا ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ ہر نبی کی اُمت میں محدّثین ہوتے ہیں جن سے اللہ کلام کرتا ہے اور میری اُمت کا محدّث عمرؓ ہے۔ لیکن اس عمرؓ کا یہ حال ہے کہ ایک بار حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے جنہیں حضور ﷺ نے منافقین کے نام بتا دیے تھے کہ ''اے حذیفہؓ! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کہیں میرا نام تو منافقوں کی فہرست میں نہیں ہے؟'' ظاہر بات ہے نفاق کی بحثیں تو وہ

شخص پڑھے گا کہ جو اُس سے بچنا چاہے گا' اور جانے گا کہ یہ مجھ سے متعلق ہیں' اس لیے میں اس کا ایک ایک لفظ پڑھوں' اپنے اندر جھانکوں' اپنا جائزہ لوں۔ مجھے یہ شعر بہت عمدہ لگتا ہے ؎

جانِ جملہ علم ہا این ست و ایں
تا بہ دانی من کیم در یومِ دیں!

یعنی پورے علم کا خلاصہ اور جان یہ معلوم ہو جانا ہے کہ قیامت کے دن میں کہاں کھڑا ہوں گا؟ مؤمنین صادقین کی صف میں یا منافقین کی صف میں؟ پل صراط پر اوندھا پڑا ہوں گا یا سلامتی سے گزر جاؤں گا؟

دوسرا حجاب:

اسی طرح جہاد اور قتال کو فرضِ کفایہ سمجھتے ہوئے ہم ان بحثوں سے لاتعلق ہو جاتے ہیں کہ یہ فرضِ عین تو نہیں ہے۔ بس بات ختم ہوئی۔ چنانچہ اب قتال کے واقعات تو ہمارے نزدیک غزوۂ بدر' غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب کی تاریخ کی حیثیت رکھتے ہیں' ہمارا اُن سے کوئی عملی تعلق نہیں۔ ہم سوچتے ہیں کہ نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ فرض ہے' جہاد تو ہم پر فرض نہیں ہے۔ اس لیے یہ ساری بحثیں ہم سے غیر متعلق ہو گئیں۔ بس پڑھو اور ثواب لے لو!

تیسرا حجاب:

چونکہ اسلامی ریاست قائم نہیں ہے لہٰذا شریعت کے اجتماعی احکام بھی ہم سے غیر متعلق ہو گئے' کیونکہ انفرادی حیثیت سے ان پر عمل کا کوئی سوال ہی نہیں۔ میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹ سکتا' میں زانی کو سنگسار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ حصہ بھی ہم سے غیر متعلق ٹھہرا' اور ہماری چھٹی ہو گئی کہ ہم سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ یہ ساری چیزیں ہمارے اور قرآن کے مابین حجاب بن گئی ہیں۔ مدنی قرآن میں سے صرف عبادات' نماز' طہارت' وضو' تیمّم اور روزے کا ہم سے تعلق ہے۔ چنانچہ پورے مکی قرآن میں سے صرف اخلاقی تعلیمات اور پورے مدنی قرآن میں سے عبادات' یہ دو چیزیں ہیں جن کو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہم سے متعلق ہیں اور ان کا ہم سے کوئی تعلق ہے۔ باقی مباحث کے بارے میں اگرچہ

ہم زبان سے نہیں کہتے کہ یہ اساطیر الاوّلین ہیں' لیکن ہمارا طرزِ عمل ظاہر کرتا ہے کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ پچھلوں کے قصے اور کہانیاں ہیں' سابقہ اقوام کی تاریخ ہے۔ نوح علیہ السلام سے لے کر موسیٰ علیہ السلام تک کے حالات جو کہ بار بار بیان ہو رہے ہیں' ان کا ہم سے کیا تعلق ہے؟ جب یہ حجابات ہمارے اور قرآن کے مابین ہوں گے تو قرآن کی تاثیر کیسے ہو گی؟ جو قرآن کو سمجھتے ہی نہیں ان کو چھوڑیے' اہلِ عجم کا معاملہ الگ ہے' میں تو عربوں کی بات کر رہا ہوں کہ ان حجابات میں وہ بھی مبتلا ہیں۔

چوتھا حجاب:

یہ وہ حجاب ہے جو اہلِ علم لوگوں کی کوتاہی کے باعث پیدا ہوا ہے۔ اقبالؔ نے ایک لفظ استعمال کیا ہے ''عذابِ دانشِ حاضر''۔ فرمایا ؎

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

اقبال کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۰ء تک جدید فلسفہ پڑھا ہے' جدید تہذیب اور جدید افکار و نظریات کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ یہ عذابِ دانشِ حاضر ہے۔ اس عذابِ دانشِ حاضر کا اثر پورے عالَمِ اسلام میں اتنا گہرا ہے کہ عالَمِ اسلام کے بڑے بڑے ذہین لوگ (The Intelligentsia of the Muslim World) اس عذاب میں مبتلا ہیں اور کہیں اس کا توڑ نہیں کیا جا رہا۔ فتویٰ دے دینا کہ فلاں شے حرام ہے' یہ اور بات ہے' لیکن فکری سطح پر اس کا توڑ اور دلیل سے اس کو ردّ کرنا بہت ضروری ہے۔ یہ کام اُمت کے اہلِ علم کا ہے جو کبھی ابن تیمیہ اور غزالی رحمہما اللہ نے کیا تھا۔ اُس وقت یونان کا فلسفہ و فکر اور تصوف اسلام کے لیے چیلنج بن کر آیا تھا اور ان ساری چیزوں کا حملہ اُس وقت بھی عالَمِ اسلام پر ہوا تھا۔ لیکن یہ دو عظیم شخصیات اٹھیں اور انہوں نے اس کا جادو تار تار کر کے رکھ دیا کہ اس میں کچھ نہیں رکھا' یہ محض سراب ہے۔ ابن تیمیہؒ نے ''اَلرَّدُّ عَلَی الْمَنْطَقِیِّیْنَ'' کے ذریعے ''لوہا لوہے کو کاٹتا ہے'' کے مصداق ان کی منطق (logic) ردّ کر کے دکھا دی کہ یہ منطق خود اپنے اصولوں سے ختم ہوتی ہے۔ امام غزالیؒ

نے ''تھَافَتُ الْفَلاسِفَة'' کے ذریعے واضح کر دیا کہ یہ سب فلسفے بے بنیاد ہیں۔ موجودہ دَور میں سوائے علامہ اقبال کی شخصیت کے کسی نے اس فکری حملے کا مقابلہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اعلیٰ علمی و فکری سطح پر یہ اُمت مسلمہ کی بہت بڑی کوتاہی ہے۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ دانش حاضر پر کاری ضرب لگائی جائے۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ چیزیں جو قرآن کی حقانیت کا ثبوت ہیں' ان کو بھی ہم نے ایک طرف رکھ دیا کہ ان سے ہمارا کوئی سروکار ہی نہیں۔ یہ سائنسی انکشافات دراصل قرآن کی حقانیت کا ثبوت ہیں۔ سورۃ حٰمٓ السجدۃ میں فرمایا گیا:

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ﴾ (آیت ۵۳)

''ہم ان کو اس کائنات میں اور خود اُن کے وجود میں نشانیاں دکھاتے چلے جائیں گے (اور ہماری نشانیاں ان پر منکشف ہوتی چلی جائیں گی) یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ یہ قرآن حق ہے۔''

ایک سے ایک بڑھ کر سائنس کے انکشافات ہوں گے' جو یہ ثابت کریں گے کہ یہ قرآن حق ہے۔ قرآن نے یہ بات چودہ سو برس پہلے کہی ہے' لیکن ہمارے علماء نے سائنس کا دروازہ اپنے لیے بند کر رکھا ہے اور خود کو ''قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ'' تک محدود کر لیا ہے۔ بلکہ قرآن بھی نہیں' ان کے نزدیک تو اصل چیز فقہ ہے' کیونکہ اس سے فتوے دینے ہیں۔ حدیث میں بھی زیادہ ذوق وشوق اہلحدیث حضرات کا ہے' ورنہ حنفی کے لیے تو فقہ کافی ہے اور اہلحدیث کے لیے حدیث بہت کافی ہے' جبکہ قرآن کی طرف توجہ کم ہے' ان کے ہاں بھی اور ان کے ہاں بھی۔ سائنس کے حوالے سے ہمارے علماء کے ہاں اس قدر جمود طاری ہے کہ ابھی تک زمین کے ساکن ہونے اور سورج کے زمین کے گرد گھومنے کے نظریات پر قائم ہیں۔ حالانکہ اس ضمن میں صحیح رُخ یہ ہے' جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے انشراح عطا فرمایا ہے' کہ جہاں تک دین کا عملی پہلو ہے اس میں پیچھے اسلاف کی طرف جائیں۔ پیچھے ائمہ مجتہدین تک' مزید پیچھے صحابہ کرام ؓ تک اور مزید پیچھے اپنے آپ کو

محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں ڈال دیں۔ دین کے عملی پہلو میں آپ کو آگے نہیں جانا' زمانے کے ساتھ نہیں جانا۔ کیونکہ عملی اعتبار سے دین محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر کامل ہو گیا۔ عمل میں آنحضور ﷺ سے جو ثابت ہو وہ سر آنکھوں پر۔ ع

''بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست!''

حلال' حرام' واجب' فرض' شریعت کے احکام' جو دین کا عملی پہلو ہے' ان کے لیے پیچھے جاؤ ع ''دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تُو!'' البتہ حکمت' سائنس' تجرباتی علوم میں آگے سے آگے جانا چاہیے۔ قربان جائیے اللہ کے رسول ﷺ پر کہ ''تأبیرِ نخل'' کے معاملے میں کس قدر سادگی سے ایسا اصول بتا دیا۔ حضور ﷺ چونکہ مکہ میں رہے تھے' وہاں زراعت تھی ہی نہیں' لہٰذا زراعت سے آپ کو کوئی دلچسپی تھی نہ اس کے اصولوں سے کوئی واقفیت تھی۔ مدینہ کے لوگ زراعت پیشہ تھے' انہیں اپنے تجربے سے معلوم تھا کہ کھجور کے نر اور مادہ پھول علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں' انہیں قریب لے آیا جائے تو پھر fertilization زیادہ ہوتی ہے' لہٰذا پھل زیادہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے یہ دیکھا تو آپؐ کو عجیب لگا کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں' فطرت اپنی نگہداشت خود کر سکتی ہے' یہ قدرت کے معاملات میں مداخلت نہ کریں تو شاید بہتر ہو۔ آپؐ نے روکا بھی نہیں' بلکہ فرمایا: ((لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا لَصَلَحَ)) کہ اگر تم لوگ یہ کام نہ کرو تو شاید بہتر ہو! صحابہ ؓ کے لیے آپؐ کا یہ کہنا بھی حکم کے درجے میں تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہ عمل نہیں کیا' لیکن اس سال فصل کم ہوگئی۔ اب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضور! آپؐ نے ایسے فرمایا تھا' لہٰذا ہم نے تأبیرِ نخل نہیں کی' لیکن اس سے فصل کم ہوگئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو میں تمہیں یہ چیزیں سکھانے نہیں آیا ((اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْیَاکُمْ))(۱) کہ اپنے دنیوی معاملات تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ یہ کتنا بڑا اصول ہے۔ اسی طرح ہمارے سائنسی علوم تجرباتی علوم ہیں۔ قرآن سائنس پڑھانے نہیں آیا۔ یہ تو انسان کے لیے راہِ ہدایت لے کر آیا ہے۔ لیکن اس میں کچھ ایسے حقائق بھی بیان ہوئے ہیں کہ سائنس کے میدان میں جب کسی حقیقت کی طرف

(۱) صحیح مسلم' ح: ۲۳۶۳۔ مسند احمد' ح: ۲۴۹۶۴۔ عن عائشۃ ؓ۔

انسان کی رسائی ہوتی ہے اور وہ بات قرآن میں بھی آئی ہو تو اس سے قرآن کی حقانیت مبرہن ہو جاتی ہے۔ قرآن ایمبریالوجی‘ زوآلوجی‘ باٹنی‘ اسٹرونومی یا جیالوجی پڑھانے نہیں آیا۔ البتہ آیاتِ قرآنی میں اُن کے حوالہ جات موجود ہیں‘ اور اگر وہ سائنس کے حوالے سے ثابت ہو جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ قرآن مجید کی حقانیت کا ایک ثبوت ہیں‘ جیسا کہ خود قرآن نے دعویٰ کیا ہے: ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ﴾ کہ ہم انہیں اپنی آیات دکھائیں گے آفاق میں بھی اور اَنفس میں بھی‘ بڑی سے بڑی آیات ظاہر ہوتی جائیں گی‘ نئی سے نئی نشانیاں سامنے آئیں گی‘ جس سے یہ بات مبرہن سے مبرہن تر ہوتی چلی جائے گی کہ یہ قرآن مجید حق ہے۔

اسی فقدان (deficiency) کے باعث ایک پڑھا لکھا آدمی جب قرآن پڑھتا یا سنتا ہے‘ اور قرآن مجید کی جو بھی تشریح عام علماء کرتے ہیں اس کے درمیان وہ اتنا خلا (gap) محسوس کرتا ہے کہ قرآن اس پر اثر ہی نہیں کرتا۔

راہِ عمل

یہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے ہم اس وقت قرآن مجید کی تاثیر سے محجوب ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور اب جبکہ بیماری کا پتہ چل گیا ہے تو اِن حجابات سے نکلنے کے لیے ہمیں عمل کی شاہراہ پر آنا ہوگا۔ اس کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے ایمان کی حقیقت کو سمجھیں کہ ہم جس ایمان کے حامل ہیں اس کی حیثیت صرف موروثی عقیدے کی ہے اور یہ ایمان صرف ایمان باللسان ہے۔ جیسے سورۃ الحجرات میں ہے: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا.....﴾ (آیت ۱۴) ’’یہ دیہاتی کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے‘ (اے نبی ﷺ!) ان سے کہہ دیجیے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو‘ بلکہ یوں کہو کہ ہم نے فرماں برداری قبول کر لی ہے.....‘‘ جبکہ ایمانِ مطلوب تو تصدیق بالقلب والا ایمان ہے۔ یہ ایمان کہاں سے ملے گا؟ یہ صرف اور صرف قرآن سے ملے گا۔ لہٰذا قرآن مجید کے ان حصوں کو پڑھنا ہوگا‘ ان پر غور کرنا ہوگا‘ انہیں اچھی

طرح گہرائی میں سمجھنا ہوگا‘ ان مقامات پر اپنے ہائی پاور لینز فوکس کرنے ہوں گے جہاں ایمان سے متعلق مباحث آئے ہیں۔

اسی طرح ہم شرک سے بچے ہوئے نہیں ہیں۔ سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۶ کے الفاظ ہیں: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾﴾ ’’ان کی اکثریت اللہ پر ایمان نہیں رکھتی مگر کسی نہ کسی نوع کے شرک کے ساتھ‘‘۔ شرک سے تو بچا تھا اللہ کا بندہ ابراہیم علیہ السلام اور قرآن میں سب سے بڑی سند اُسے یہی دی جاتی ہے کہ ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ’’اور وہ (ابراہیم علیہ السلام) مشرکوں میں سے نہ تھا‘‘۔ شرک سے بچنا آسان کام نہیں ہے۔ لہٰذا شرک کے مباحث پر غور و فکر کے ذریعے قدم قدم پر شرک سے بچنے کے لیے اللہ سے توفیق طلب کی جائے۔

قرآن کی دعوت

اب چونکہ عمل کی راہ ہموار ہو چکی ہے اس لیے مختصراً الفاظ میں قرآن کی دعوت سامنے رکھ رہا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ تاہم آج میں ایک اور ترتیب سے بات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اس لیے کہ ع ’’اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں‘‘ کے مصداق بے شک بات ایک ہی ہو لیکن ذرا ترتیب بدلے تو یہ اسلوب قرآن سے مطابقت رکھتا ہے۔ سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ قرآن کی پوری دعوت کو اگر ایک لفظ میں بیان کرنا ہو تو وہ کیا ہے؟ وہ ہے ’’عبادتِ ربّ‘‘۔ چنانچہ فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ﴾ (البقرۃ: ۲۱) ’’اے لوگو! اپنے ربّ کی بندگی کرو‘‘۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾﴾ (الذّٰریٰت) ’’اور ہم نے جنّوں اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا‘‘۔ رسولوں کی دعوت تھی: ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ﴾ (ھود: ۵۰) ’’اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو‘ تمہارا کوئی معبود اُس کے سوا نہیں‘‘۔ لیکن اس عبادت کے لیے شرط ہے ﴿مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (البیّنۃ: ۵) کہ اس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کر لو‘ ورنہ وہ

عبادت اللہ کے ہاں منظور نہیں‘ قبول نہیں۔ اس بندگی کا جوہر دعا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ))[1] اور ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ))[2] یہ دعا بھی ﴿مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ ہو تو بندگی ہے۔

اب اگر کوئی شخص ایسی جگہ رہتا ہے جہاں اللہ کا دین غالب ہے تو اس کی عبادت (اللہ کی بندگی) سو فیصد ہو سکتی ہے‘ اجتماعی زندگی میں بھی اور انفرادی زندگی میں بھی لیکن اگر طاغوت غالب ہے اور غیر اسلامی نظام قائم ہے تو اب ﴿مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کا تقاضا پورا کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ یہ جو انفرادی زندگی میں جزوی عبادت کر رہا ہے اور باقی اجتماعی معاملات میں بندگیٔ ربّ نہیں کر رہا اس کا کفارہ ادا کرے اور اس نظام کو بدلنے کے لیے تَن مَن دھن وقف کر دے۔ اگر یہ کریں گے تو عبادت قبول ہوگی‘ ورنہ نہیں۔ گویا ایک لفظ ’’عبادت‘‘ کے اندر پورے قرآن کی دعوت موجود ہے‘ جس کی وضاحت قرآن میں یوں آئی ہے: ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ.....﴾ (البیّنۃ:۵) ’’اور اُن کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں‘ اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے‘ بالکل یکسو ہو کر‘ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں.....‘‘ یعنی اپنی عبادت اور پرستش کو جب اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے کرو گے تب اگر نماز پڑھو گے اور زکوٰۃ دو گے تو وہ قبول ہوگی‘ ورنہ نہیں۔ گویا شرطِ اوّل یہ ہے۔

اب ایک اور انداز سے دیکھتے ہیں کہ کیا قرآن کی دعوت دو الفاظ میں بھی آئی ہے؟ سورۃ الحدید میں ارشاد ہوا:

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ﴾ (آیت ۷)

یہاں دو الفاظ آئے ہیں ’’اٰمِنُوْا‘‘ اور ’’اَنْفِقُوْا‘‘ کہ ’’ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور کھپا دو‘ صرف کر دو اُس میں سے جو کچھ بھی ہم نے تمہیں دیا ہے‘‘۔ یعنی تم اپنا جسم‘

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب الدعوات‘ ح:۳۳۷۱ ۔ راوی : انس بن مالك ؓ۔

(۲) سنن الترمذی : ابواب الدعوات‘ ح:۳۳۱۸۔ راوی : نعمان بن بشیر ؓ۔

اپنی طاقت‘ ذہانت‘ صلاحیت‘ قوت‘ وقت‘ سب اللہ کے لیے کھپا دو۔

یا قرآن میں دو لفظ اور آتے ہیں: ’’اٰمِنُوْا‘‘ اور ’’جَاهِدُوْا‘‘۔ کُل دین ان دو الفاظ میں آ گیا ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ (الحُجُرات:۱۵)

’’مؤمن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر‘ پھر شک میں نہ پڑے اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا اللہ کی راہ میں۔‘‘

سورۃ الصّف میں فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۱۰ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ﴾

’’اے ایمان والو! کیا میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا دے؟ تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر‘ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔‘‘

یہاں جہاد سے مراد بھی اپنی جان اور مال کو کھپا دینا ہے۔ اس طرح ’’ایمان اور جہاد‘‘ —— اور —— ’’ایمان اور انفاق‘‘ دو دو الفاظ میں کل دعوت آ گئی ہے۔

اس سے آگے چلئے‘ چار چار الفاظ میں بھی دعوت دی گئی۔ سب سے پہلے سورۃ العصر کو لیجیے:

﴿وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳﴾

’’زمانے کی قسم ہے! تمام انسان گھاٹے اور خسارے میں ہیں‘ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔‘‘

سورۃ الحج میں ارشاد ہوا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۷۷﴾﴾

''اے اہلِ ایمان! رکوع کرو' سجدہ کرو' اور اپنے ربّ کی بندگی کرو اور اچھے کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

سورۃ الاعراف میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آیا ہے:

﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۱۵۷﴾﴾

''پس جو لوگ آپؐ پر ایمان لائیں گے' آپؐ کا احترام اور تعظیم کریں گے' آپؐ کی مدد کریں گے اور جو نور آپؐ کے ساتھ نازل کیا جائے گا اس کی پیروی کریں گے وہ ہوں گے فلاح پانے والے۔''

سورۂ آل عمران کی آخری آیت کے الفاظ ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۲۰۰﴾﴾

''اے اہلِ ایمان! صبر کرو اور صبر میں (اپنے مدمقابل دشمنوں سے) بازی لے جاؤ (وہ بھی صبر کر رہے ہیں اپنے معبودانِ باطل کے لیے' اپنے نظامِ باطل کے لیے' اپنے مفادات کے تحفّظ کے لیے' تم ان سے صبر میں بڑھ جاؤ) اور باہم مربوط رہو (ایک منظّم جماعت کی شکل میں جڑے رہو)' اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

اس کے علاوہ قرآن مجید میں لمبی لمبی بحثیں بھی آئی ہیں' مثلاً سورۃ التغابن' سورۃ الحدید' سورۃ الصّف' سورۃ الحجرات اور سورۃ الحج کے آخری حصے میں قرآن کی دعوت کھول کر بیان کر دی گئی ہے تاکہ کوئی کہہ نہ سکے کہ بات واضح نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ﴾ (الانعام:۳۸) ''ہم نے اس قرآن میں کوئی کمی نہیں رکھی ہے'' کہ جس کی وجہ سے تم کہہ سکو کہ بات واضح نہیں ہے۔ اب جبکہ

ہر شے واضح ہو گئی ہے تو ﴿فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۢ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ﴿۵۰﴾﴾ (المُرسلٰت) کے مصداق اس قرآن کے بعد اب وہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟ آخر انہیں کس چیز کا انتظار ہے؟ قرآن کی آیات ہمیں پکار پکار کر مخاطب کر رہی ہیں:

﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ.....﴾ (الحدید:۱۶)

''کیا ابھی وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لیے کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد میں اور جو کچھ حق میں سے نازل ہو چکا ہے اس کے سامنے.....!''

یہ تاخیر' یہ تعویق کس لیے؟ کہ یہ کر لیں' وہ کر لیں' اس کے بعد سوچیں گے' یہ مَیں ذرا اِس ذمہ داری سے فارغ ہو لوں۔ ع ''کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد!'' دنیا کا کام تو کبھی ختم ہوتا ہی نہیں' اور جب آدمی دنیا سے چلا جاتا ہے تو دنیا میں کوئی کمی نہیں آتی' حالانکہ آدمی سمجھتا ہے کہ میرے بغیر تو یہ کام چل ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ چلا جاتا ہے اور کام چلتا رہتا ہے۔ ؎

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گے!

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین○○

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ
کے دو فکر انگیز خطابات پر مشتمل کتابچہ

توبہ کی عظمت اور تاثیر

اور موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

اشاعتِ خاص: 65 روپے
اشاعتِ عام: 35 روپے

اصلاحِ معاشرہ کا اِنقلابی تصور (۳)

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کا ۱۲/ نومبر ۱۹۸۲ء کا خطاب

(گزشتہ سے پیوستہ)

اس ضمن میں‘ میں علامہ اقبال کے چند اشعار پیش کر کے آگے چلوں گا۔ میں نے جو بات قدرے تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے‘ علامہ مرحوم نے اس کو ان اشعار میں نہایت بلاغت وفصاحت اور جامعیت سے ادا کیا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

’’اگر تو فی الواقع مسلمان کی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو یہ اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ تو قرآن کے مطابق زندگی بسر کرے۔‘‘

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم

’’وہ زندہ کتاب‘ قرآن حکیم‘ جس کی حکمت لازوال بھی ہے اور قدیم بھی!‘‘

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است!
مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا ست ایں
زندہ و پائندہ و گویا ست ایں
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست
عصر ہا پیچیدہ در آناتِ اوست!

’’(اس کتاب کے بارے میں) جو بات میرے دل میں پوشیدہ ہے اسے اعلانیہ ہی

کہہ گزروں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب نہیں کچھ اور ہی شے ہے۔ یہ ذات حق سبحانہ وتعالیٰ (کا کلام ہے لہٰذا اسی) کے مانند پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی۔ اور جیتی جاگتی بولتی بھی ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والی بھی! اس کی آیتوں میں سینکڑوں تازہ جہان آباد ہیں اور اس کے ایک ایک لمحے میں بے شمار زمانے موجود ہیں!‘‘

اور کس خوبصورتی سے مسلمانوں کو قرآن کے ذریعے ایک عالمگیر انقلاب برپا کرنے کی دعوت دیتے ہیں:

بندۂ مؤمن ز آیاتِ خداست
ہر جہاں اندر بر اُو چوں قباست
چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآں جہانے دیگرش
یک جہانے عصرِ حاضر را بس است!
گیر اگر در سینہ دل معنی رس است!

’’بندۂ مؤمن آیاتِ خداوندی میں سے ہے اور اس عالم کی حیثیت بس ایسی ہے جیسی اس کے لباس میں ایک قبا۔ جب اس کے لباس کی کوئی قبا یعنی کوئی عالم پرانا ہو جاتا ہے تو قرآن اسے ایک جہانِ نو عطا فرما دیتا ہے۔ عصرِ حاضر کو بھی بس ایک ایسا ہی جہانِ نو درکار ہے (جو قرآن سے ماخوذ اور مستنبط ہو!) اے مسلمان اگر تیرے سینے میں ایک ایسا دل ہے جو معانی کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہو تو (مجھ سے) یہ راز کی بات حاصل کر لے!‘‘

تربیت اور تزکیۂ نفس کا ذریعہ: قرآنِ عظیم

میں نے عرض کیا تھا کہ اس انقلاب کے عمل میں تیسری چیز ’تربیت‘ ہے اور وہ انقلابی فکر کی مناسبت سے ہوگی۔ اس کے لیے قرآن کی اصطلاح ہے ’تزکیہ‘ اور پھر اسی تزکیہ کے ساتھ وہ ملحق کرتا ہے تعلیم کو — میں نے تلاوتِ آیات کے لیے چار آیات کے ابتدائی حصوں کا حوالہ پیش کیا تھا۔ اب ان چاروں آیات کو سامنے رکھیے تاکہ آگے کی بات کی تفہیم میں آسانی ہو۔ سورۃ البقرۃ میں دعائے ابراھیمی واسماعیلی علیہما السلام مذکور ہے:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ (آیت ۱۲۹)

''اے ہمارے رب! تو مبعوث فرمائیو ان ہی میں سے ایک رسول جو ان کو سنائے تیری آیات اور انہیں تعلیم دے کتاب اور حکمت کی اور تزکیہ کرے ان (کے قلوب و اذہان) کا۔''

خلیل اللہ اور ذبیح اللہ علیہما السلام کی دُعا میں ''تزکیہ'' کا ذکر بعد میں تھا' لیکن اسی سورہ کی آیت ۱۵۱ میں جب اس دعا کی قبولیت کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تو اپنے علم کامل کی بنیاد پر ترتیب کو بدل دیا:

﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾﴾

''چنانچہ بھیج دیا ہم نے ایک رسول تم ہی میں سے جو سناتا ہے تمہیں ہماری آیات اور تزکیہ کرتا ہے تمہارا اور تعلیم دیتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت کی اور تمہیں تعلیم دیتا ہے ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔''

سورۂ آل عمران میں یہ مضمون بڑی آن بان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کے طور پر بیان فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾﴾

''بے شک اللہ نے احسان فرمایا ہے اہلِ ایمان پر کہ اٹھایا ان ہی میں سے ایک رسول' ان ہی میں کا' جو سناتا ہے انہیں اس کی آیات اور تزکیہ کرتا ہے ان کا اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب اور حکمت کی' اگرچہ وہ تھے اس سے قبل کھلی گمراہی میں!''

آخری بار یہ مضمون سورۃ الجمعہ میں اس طور پر آیا ہے کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے انقلاب کے اساسی و بنیادی منہاج کے عناصر چہارگانہ کی طرف رہنمائی بڑے واضح انداز میں کر دی گئی۔ فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲﴾﴾

''وہی ہے (اللہ) جس نے اٹھایا اُمّیوں میں ایک رسول ان ہی میں سے' جو سناتا ہے

انہیں اس کی آیات اور تزکیہ کرتا ہے ان کا اور تعلیم دیتا ہے ان کو کتاب اور حکمت کی' اگرچہ وہ تھے اس سے قبل کھلی گمراہی میں۔''

یہاں اس کی اہمیت اس اعتبار سے بہت بڑھ جاتی ہے کہ سورۃ الجمعہ سے متصلاً قبل سورۃ الصّف ہے جس کی مرکزی آیت میں نبی اکرم ﷺ کے مقصدِ بعثت کے انقلابی پہلو کو واضح کیا گیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (آیت ۹)

''وہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ وہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل نظامِ زندگی پر۔''

میں عرض کر رہا تھا کہ انقلابِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تیسرا مرحلہ 'تربیت' ہے جس کے لیے قرآنِ مجید کی اپنی اصطلاح ہے ''تزکیہ'' اور اس کے ساتھ ملحق ہے ''تعلیم''۔ لہٰذا جان لیجیے کہ اس تزکیہ اور تعلیم کا مرکز و محور اور مبنیٰ و مدار بھی یہی قرآنِ مجید ہے۔ اور میں نہایت دکھ اور رنج کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اس معاملہ میں قرآن کی ناقدری کا معاملہ ہم نے تقریباً آخری حدوں تک پہنچا دیا ہے۔ ہم نے یہ سمجھا ہے کہ اس اعتبار سے (معاذ اللہ!) قرآن مجید درخورِ اعتناء ہے ہی نہیں' تزکیۂ نفس کے لیے تو ہمیں کہیں نہ کہیں سے بھیک مانگنی پڑے گی۔ اس کے لیے طریقے ہمیں دوسروں سے مستعار لینے پڑیں گے' چاہے وہ نو افلاطونی نظریات ہوں' چاہے وہ ہندو جوگیوں کی تپسیائیں اور ان کی ریاضتیں ہوں' چاہے وہ عیسائی راہبوں کی طرح رہبانیت اختیار کر کے خانقاہوں میں ریاضتیں اور عبادتیں ہوں۔ حالانکہ قرآن مجید دو مقامات پر یہ کہتا ہے کہ باطنی امراض کے لیے قرآن میں شفا ہے۔

روحانی و باطنی امراض اور ان کا علاج

باطنی امراض میں تکبر سب سے بڑا روگ ہے' حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ بہت بڑے بڑے روگ ہیں' اور ان سب روگوں کو جمع کریں تو وہ اصطلاح بنے گی: حُبِّ دُنیا۔ جیسے سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا:

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾﴾

''بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ جبکہ آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی۔''

اور سورۃ القیامہ میں فرمایا:

﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٢١﴾﴾

''ہرگز نہیں! اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی ملنے والی چیز (یعنی دنیا) سے محبت کرتے ہو۔ اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔''

جب تک ان باطنی امراض سے سینہ پاک نہیں ہوگا اس وقت تک وہ تربیت حاصل نہیں ہوگی جو انقلابِ محمدی ﷺ کے لیے ضروری ہے۔ اس کے لیے ذریعہ کیا ہے؟ اس کی طرف رہنمائی کی جارہی ہے سورۂ یونس کی آیت ۵۷ میں۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴾

''لوگو! تمہارے پاس آ گئی ہے تمہارے رب کی جانب سے موعظت و نصیحت بھی اور جملہ امراضِ قلبی کی شفا بھی۔''

دوسری جگہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۸۲ میں فرمایا:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''اور ہم قرآن سے جو اتارتے ہیں وہ شفا اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔''

یہ دونوں آیات میرے نزدیک اس امر پر بُرہانِ قاطع ہیں کہ تزکیۂ نفوس' تصفیۂ قلوب اور تجلیۂ باطن درحقیقت ثمرہ ہوتا ہے تلاوت اور تدبّر قرآن حکیم کا' لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اس حوالے سے ہم نے قرآن کو پس پشت ڈالا ہوا ہے۔

جہاد کے مراحل و مدارج کا جائزہ لیں تو جہاد کی پہلی سطح جہاد مع النفس ہے۔ اس کی عملی تدبیر کے لیے آپ قرآن سے رہنمائی چاہیں گے تو وہ ملے گی قیام اللیل اور تہجد کے عنوان سے' اور ان دونوں کا تعلق قرآن حکیم سے ہے۔ سورۃ المزمل کی ان آیات میں قیام اللیل کے حکم کے ساتھ ہی وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا کا تاکیدی حکم ہے۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿١﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿٢﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿٣﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۭ﴿٤﴾﴾

''اے چادر میں لپٹنے والے! رات میں قیام کرو سوائے اس کے تھوڑے سے حصے کے۔ (یعنی) آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم کر دو یا اس پر کچھ زیادہ کر لو اور قرآن کی تلاوت کرو ٹھہر ٹھہر کر۔''

جبکہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۷۸ اور ۷۹ میں فرمایا:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿٧٨﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ﴾

''نماز کا اہتمام رکھو زوالِ آفتاب کے اوقات سے لے کر شب کے تاریک ہونے تک اور خاص کر فجر کی قراءت کا' بے شک فجر کی قراءت بڑی ہی حضوری کی چیز ہے۔ اور شب میں بھی تہجد پڑھو' یہ اضافی چیز ہے تمہارے لیے۔''

اس آیت کے الفاظ فَتَهَجَّدْ بِهٖ انتہائی قابل غور ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن کے تذکرے کے ضمن میں جہاں بھی بِهٖ آیا ہے' ہمارے متقدمین و متاخرین مفسّرین نے اس مقام پر اس کا کما حقہ حق ادا نہیں کیا ہے۔ یہاں یہ بِهٖ اصل کانٹے کی بات ہے۔ تہجد کا اصل مقصد یہ بیان ہو رہا ہے کہ قیام میں قرآن کی طویل قراءت کی جائے' لیکن ہمارا حال' اِلا ماشاء اللہ' اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ تہجد میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں اور آٹھ رکعتیں پوری کر لیں۔ قرآن کی طویل قراءت سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ پھر بیٹھ گئے اور ضربیں لگائیں' کچھ ذکر کیا' وظائف کا ورد ہوا اور اس میں سب سے زیادہ وقت لگایا۔ یہ ہے وہ طریقہ جو اکثر تہجد گزاروں میں نظر آتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب اپنے مقام سے اصل شے ہٹے گی تو اس کی جگہ پُر کرنے کے لیے کوئی نئی چیز آئے گی۔ لیکن اس طریقے سے نقصان یہ ہوا کہ نہ قیام اللیل کا اصل مقصد سامنے رہا اور نہ تہجد کا اصل نصاب پیش نظر رہا!

قرآن کی ناقدری پر علامہ اقبال کا مرثیہ

مسلمانوں کی قرآن سے بے اعتنائی اور ناقدری پر علامہ اقبال نے انتہائی مؤثر اور تعمیری مرثیے کہے ہیں۔ میں ان کا ایسے ہی معترف نہیں ہوں' اللہ ہم سب کو شخصیت پرستی سے محفوظ رکھے' کردار و عمل کے لحاظ سے علامہ کس مقام پر کھڑے تھے اس سے قطع نظر میں نے کبھی اس بات کے اظہار میں باک نہیں رکھا ہے کہ میرے نزدیک اس دور کے ترجمان القرآن علامہ اقبال ہیں۔ وہ بات جو کبھی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کہی گئی اور وہ بات جو کبھی مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کہی گئی کہ ع ''ہست قرآں در زبانِ پہلوی!'' اس دور میں وہ مقام علامہ اقبال کا ہے' چاہے کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو۔ چنانچہ ذرا دیکھئے کہ کس کس انداز سے علامہ نے مسلمانوں کی قرآن سے بے اعتنائی اور بے نیازی کا مرثیہ کہا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یاسین اُو آساں بمیری!

''(لیکن افسوس کہ اے مسلمان!) تجھے اس کی آیات سے اب اس کے سوا اور کوئی سروکار نہیں رہا کہ اس کی سورۂ یٰسین کے ذریعے موت کو آسان کر لے!''

مزید یہ کہ ہمارے اہلِ علم وتصوف کی' الا ماشاء اللہ' قرآن کی جانب عدم توجہی کی روش سے علامہ کو کس قدر دکھ تھا' اس کا ذکر ان کے کلام میں جا بجا موجود ہے جس میں ان کا دلِ حساس خون کے آنسو روتا نظر آتا ہے۔ کتنی تلخی ہے علامہ کے ان اشعار میں جو میں آپ کو پہلے بھی سنا چکا ہوں اور ابھی پھر انہی کا اعادہ کر رہا ہوں ؎

صوفیٔ پشمینہ پوشِ حالِ مست
از شرابِ نغمۂ قوال مست
آتش از شعر عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآں محفلش
واعظ دستاں زن و افسانہ بند
معنیٔ اُو پست و حرفِ اُو بلند
از خطیب و دیلمی گفتارِ اُو
باضعیف و شاذ و مرسل کارِ اُو

''ادنیٰ لباس میں ملبوس اور اپنے حال میں مست صوفی قوال کے نغمے کی شراب ہی سے مدہوش ہے! اس کے دل میں عراقی کے کسی شعر سے تو آگ سی لگ جاتی ہے لیکن اس کی محفل میں قرآن کا کہیں گزر نہیں! (دوسری طرف) واعظ کا حال یہ ہے کہ ہاتھ بھی خوب چلاتا ہے اور سماں بھی خوب باندھ دیتا ہے اور اس کے الفاظ بھی پرشکوہ اور بلند و بالا ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے نہایت پست اور ہلکے!''

واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں ہمارے اہلِ تصوف کی' اِلّا ماشاء اللہ' یہی کیفیت ہے کہ قوالیوں سے حال آئے گا' عراقی اور جامی کے اشعار سنیں گے تو تڑپ اُٹھیں گے' لیکن قرآن مجید کا ان کی محفلوں میں گزر نہیں ہوگا' اس سے ان کو کوئی سروکار ہی نہیں ہوگا۔ قرآن کی تلاوت یا قراءت سے ان کے دلوں میں گداز پیدا نہیں ہوگا۔ حالانکہ دلوں کے امراض اور

شیطان کے وسوسوں اور ترغیبات کو ختم کرنے کے لیے اصل شمشیر دراصل قرآن ہی ہے۔ کیا پیاری بات کہی ہے علامہ نے ؎

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است!

اس شعر میں علامہ نے اس حدیث کی ترجمانی کی ہے: ((اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ))(۱) کہ شیطان کو کہاں مارو گے' کیسے اُسے قتل کرو گے' شیطان تو انسان کے وجود میں خون کی طرح سرایت کیے ہوئے ہے۔ اگلے شعر میں علامہ شیطان کو قتل کرنے کی وہ تدبیر بتاتے ہیں جو انہوں نے اختیار کی:

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیر قرآنش کنی

''اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے شیطان کو مسلمان کر لو اور اسے قرآن کی شمشیر سے گھائل کرو۔''

تمام امراض کا علاج قرآن مجید ہے!

تزکیہ کا اصل ذریعہ اور امراضِ قلبیہ وصدریہ کے لیے اصل تلوار قرآن مجید ہے' جملہ امراضِ ذہنی و روحانی کے لیے بھی اصل تلوار قرآن کی آیاتِ بینات ہیں اور نفس کے تمام روگوں کے لیے بھی اصل مداوا' اصل شفا اور اصل علاج قرآن مجید ہی ہے۔ امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ)) قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جِلَاءُ هَا؟ قَالَ: ((كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ))(۲)

''ان دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسے لوہا پانی پڑنے سے زنگ آلود ہو جاتا ہے''۔ دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! اس زنگ کو دور کس چیز سے کیا جائے؟ فرمایا: ''موت کی

(۱) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق' باب صفة ابلیس وجنوده۔ وصحیح مسلم' کتاب السلام' باب بیان انه یستحب لمن رئیی خالیا بامرأة.....

(۲) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰة المصابیح' کتاب فضائل القرآن' الفصل الثالث۔

بکثرت یاد اور قرآن مجید کی تلاوت!''

انسان کے قلب کے زنگ آلود ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں کبر و عجب ڈیرہ ڈال لے‘ اس میں حُبِّ دنیا براجمان ہو جائے‘ اس میں حسد اپنے پنجے گاڑ لے‘ نیز قلب اسی نوع کے مفاسد کی آماجگاہ بن جائے تو ان تمام روگوں سے دل کو صیقل کرنے کے دو ذرائع ہیں: ایک موت کی بکثرت یاد اور دوسرا تلاوتِ قرآن۔ گویا اس حدیث سے بھی واضح طور پر مترشح ہوتا ہے کہ تزکیہ نفس کا منصوص و ماثور طریقہ تلاوتِ قرآن مجید ہی ہے۔

اب تک انقلاب کے دو مراحل پر بات ہوئی ہے‘ ایک ہے انقلابی نظریہ اور فکر اور دوسرا ہے اس کے مطابق تربیت و تزکیہ۔ ان کے حوالے سے جان لیجیے کہ یہ دونوں مرحلے ہر انقلاب کے لیے pre-requisites ہیں کہ ان کے بغیر کسی انقلابی جدوجہد کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی انقلاب کا مقصود ہے: لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ جس کو اقبال نے کہا ؎

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس
نکتہ شرعِ مبیں این است و بس!

''شریعت حقہ اور نظامِ اسلامی کا اصل مقصود یہی ہے کہ دنیا میں کوئی کسی کا محتاج نہ رہے۔''

دراصل اسلام ہی وہ دین (نظامِ زندگی) ہے جس میں تمیز بندہ و آقا موجود نہیں ہے۔ اس کے لیے جو انقلابی جدوجہد درکار ہے اس کے پہلے دو مراحل یعنی انقلابی فکر و نظریہ اور تربیت و تزکیہ کے لیے مبنیٰ و مدار اور مرکز و محور (axis) ‘اس کا ذریعہ اور اس کا وسیلہ صرف اور صرف قرآنِ مجید ہے۔ اگر اس بات کو حرزِ جاں نہ بنایا گیا تو پھر معاملہ الٹ ہو جائے گا اور اسلام کی راہ ہموار ہونے کے بجائے کسی اور کا کام ہو جائے گا۔ کوئی وقتی سا نعرہ ہو اور اقبال کے اس مصرع کے مصداق کہ ع ''سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو!'' کہیں سے کوئی 'ہو' پھر آئے اور لوگ پھر اُٹھ کھڑے ہوں تو اس سے وہ کام نہیں بنے گا جو مطلوب اور پیش نظر ہے‘ یعنی اسلامی انقلاب کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے۔ قرآن کے انقلابی فکر کے اعتبار سے تبلیغ و دعوت اور اسی فکر کے تقاضوں کے اعتبار سے تزکیہ و تربیت درکار ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد‘ جہاں دیگر شود!

''(یہ کتاب حکیم) جب کسی کے باطن میں سرایت کر جاتی ہے تو اس کے اندر ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور جب کسی کے اندر کی دنیا بدل جاتی ہے تو اس کے لیے پوری دنیا ہی انقلاب کی زد میں آ جاتی ہے!''

یہی طریقہ محمدی ﷺ ہے۔ ''چوں بجاں در رفت'' کے مصداق قرآنِ حکیم‘ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے باطن میں سرایت کر گیا اور ان کے اذہان و قلوب اس کے نور سے منور ہو گئے تو انؓ کی زندگیوں میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہو گیا۔ ان کی سوچ بدل گئی‘ ان کا فکر بدل گیا‘ ان کے عقائد بدل گئے‘ ان کی اَقدار بدل گئیں‘ ان کے عزائم بدل گئے‘ ان کے مقاصد بدل گئے‘ ان کی آرزوئیں بدل گئیں‘ ان کی تمنائیں بدل گئیں‘ ان کے دن بدل گئے‘ ان کی راتیں بدل گئیں‘ ان کی صبحیں بدل گئیں‘ ان کی شامیں بدل گئیں‘ ان کی زمین بدل گئی‘ ان کا آسمان بدل گیا۔ یہاں تک کہ اگر پہلے زندگی عزیز تھی تو اب موت عزیز تر ہو گئی اور کیفیت یہ ہو گئی کہ:

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

اور جن کے قبیلوں کا پیشہ لوٹ مار تھا اور جو اَن پڑھ اور امی تھے‘ ان کا حال یہ ہو گیا کہ ؎

رہزناں از حفظِ اُو رہبر شدند
از کتابے صاحبِ دفتر شدند

''اسے یاد کر لینے کے باعث یا اس کی حفاظت میں آ کر رہزن اور لٹیرے رہبر و رہنما بن گئے اور اس ایک کتاب کے طفیل وہ خود بہت سی کتابوں کے مصنف بن گئے!''

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ اسے اسلامی انقلاب کہہ لیں‘ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کہہ لیں‘ اسلامی نظامِ حیات کا قیام و نفاذ کہہ لیں‘ اصلاحِ معاشرہ کہہ لیں‘ یہ تمام اصطلاحات دراصل ایک ہی حقیقت کی تعبیر کے مختلف اسالیب ہیں۔ یہ سب کچھ اس وقت تک روبہ عمل آنا ممکن نہیں ہے جب تک ہم ان کے لیے قرآن مجید کو اپنا رہنما اور ہادی نہ بنائیں اور قرآن ہمارے اذہان و قلوب میں نفوذ نہ کرے۔ آج ہم جس المیہ سے دوچار ہیں وہ دراصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس کتابِ ہدایت سے ہمارا تعلق نہ صرف یہ کہ مضمحل اور کمزور ہو گیا ہے بلکہ اگر آپ حضرات برا نہ مانیں تو میں عرض کروں کہ تقریباً معدوم کے درجے میں آ گیا ہے۔ ہمارے حال پر کیسی صادق آتی ہے یہ حدیث مبارکہ جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمر بن الخطاب

رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتٰبِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ))(۳) ''اللہ تعالیٰ اس قرآن مجید کے ذریعے بہت سی قوموں کو عزت و سربلندی سے سرفراز فرمائے گا اور دوسروں کو (اس کتاب ہدایت کو ترک کرنے کے باعث) ذلت و نکبت سے دوچار فرمائے گا''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ نیز ان کے بعد آنے والوں نے جب تک اس کتاب کو اپنا لائحہ عمل اور رہنما بنائے رکھا تو ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ﴾ کا وعدۂ الٰہی پورا ہوتا رہا اور جب ہم نے اس قرآن کو محض ایک کتابِ مقدس سمجھ کر اس کے ساتھ محض ظاہری احترام کا معاملہ اختیار کیا اور اس کی تعلیمات سے سراسر روگردانی اور اعراض کیا تو اس کی پاداش میں وہی کچھ ہوا اور ہو رہا ہے جس کی خبر دی تھی الصادق المصدوق ﷺ نے کہ وَیَضَعُ بِہٖ آخرین۔ اس مضمون کو بھی علامہ نے اس شعر میں بڑی خوبصورتی سے ادا کیا ہے ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر تکمیلِ نبوّت کا تقاضا

اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ نبی اکرم ﷺ پر نبوت ختم ہی نہیں بلکہ کامل بھی ہوئی ہے۔ آنحضور ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جو چیز محمدٌ رسول ﷺ کی جانشین اور قائم مقام ہے وہ ہے قرآنِ مجید' فرقانِ حمید' کتابِ مبین' جو دائم و قائم ہے اور تا قیامِ قیامت ایک شوشے کے تغیّر کے بغیر اور ہر تحریف لفظی سے محفوظ زندہ و پائندہ رہے گی۔ چنانچہ حجۃ الوداع میں آنحضور ﷺ نے جو آخری بات فرمائی وہ اسی قرآن مجید کے متعلق ہے۔ صحیح مسلم میں حجۃ الوداع کے اختتامی اور آخری الفاظ یہ ہیں:

((وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَالَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ : کِتَابُ اللّٰہِ))(٤)

''اور میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جس کو اگر تم مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے' اور وہ چیز ہے: کتاب اللہ!''

معلوم ہوا کہ ہماری ہدایت کی ضمانت اعتصام بالقرآن ہے اور اس کو چھوڑنے کا لازمی

(۳) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب فضل من یقوم بالقرآن.....
(٤) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب حجۃ النبی ﷺ۔

نتیجہ ضلالت و گمراہی ہے جس کی سزا ہم بھگت رہے ہیں۔ قرآن ہی دراصل ہمارا انقلابی فکر اور نظریہ ہے۔ اس انقلابی فکر کی تبلیغ کو نبی اکرم ﷺ نے اتنی وسعت دی کہ فرمایا: ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً)) ''پہنچاؤ میری طرف سے چاہے ایک ہی آیت کیوں نہ ہو''۔ گویا ہر مسلمان پر لازم ہے' فرض ہے کہ وہ قرآن کا مبلغ بنے' چاہے ایک ہی آیت کو اچھی طرح سمجھ کر دوسروں تک پہنچائے۔ یہ تبلیغ گویا نبی اکرم ﷺ کی جانب سے ہو گی۔ یہاں 'عَنِّیْ' کا صحیح مفہوم ہو گا: on my behalf۔ اس طرح ہر مسلمان یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ کے کارِ رسالت کی زنجیر سے ایک کڑی کی طرح منسلک ہو جائے گا اور امتِ مسلمہ کی تأسیس کی غرض و غایت کو پورا کرنے کی کوشش کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا۔ یہ ہے اصلاحِ معاشرہ کا انقلابی پہلو۔

قرآن حکیم کی متعدد آیات میں امتِ مسلمہ کی تأسیس کی غرض و غایت کو واضح کیا گیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ کے ابتدائی حصہ میں ارشاد ہوا:

﴿وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا ؕ﴾

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک بیچ کی اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے۔''

اسی بات کو سورۃ الحج کی آخری آیت میں ایک دوسرے انداز اور اسلوب سے بیان فرمایا گیا۔ قبل اس کے کہ ہم اس آیت کا مطالعہ کریں' پہلے آیت ۷۵ سن لیجیے جس سے اس آخری آیت کا گہرا ربط و تعلق ہے۔ فرمایا: ﴿اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾﴾ ''(حقیقت یہ ہے کہ) اللہ (اپنی ہدایات کی ترسیل کے لیے) ملائکہ میں سے بھی پیغام رساں منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی (رسولوں کا انتخاب فرماتا ہے)۔ بلاشبہ اللہ ہی حقیقی سمیع اور بصیر ہے''۔ یہ بڑی عظیم آیت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ارسالِ وحی کا یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اس مقصد کے لیے فرشتوں میں سے کسی کو اپنا رسول' پیغامبر اور ایلچی منتخب فرماتا ہے' جو وحی کو ان حضراتِ قدسیہ تک پہنچاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے بحیثیتِ نبی و رسول منتخب فرماتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ پر نبوت ہمیشہ کے لیے صرف ختم ہی نہیں ہوئی

بلکہ نبوت کا اکمال واتمام بھی ہوا ہے۔اب قیامت تک کسی نوع کا' نہ بروزی نہ ظلی' کوئی نبی نہیں آئے گا۔ جو بھی اس قسم کا دعویٰ کرے وہ لازماً کاذب اور کافر ہوگا۔لیکن نوعِ انسانی کی ہدایت کی ضرورت تو تا قیامِ قیامت باقی رہے گی' لہٰذا ایک تو قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا:﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹﴾ (الحجر) ''یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں''—— اور تا قیامِ قیامت قرآنِ مجید کو نبوت کے قائم مقام کا درجہ عطا فرما دیا۔اب رہا کارِ رسالت' یعنی تبلیغ دعوت' موعظت ونصیحت' تبشیر وانذار' شہادت علی الناس' امر بالمعروف ونہی عن المنکر' تکبیرِ رب اور اقامت واظہارِ دین کے فرائض منصبی' یہ امت کے سپرد کر دیے گئے۔گویا ختمِ نبوت کے بعد قیامت تک کے لیے نوعِ انسانی کی ہدایت کے کام پر اُمت مسلمہ ایک تیسری کڑی کی حیثیت سے شامل کر دی گئی۔یہی بات ہے جو سورۃ الحج کی آخری آیت میں فرمائی گئی:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۝۷۸﴾

''اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔اُس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔تمہارے باپ ابراہیم کی ملت (کو تمہارے لیے پسند فرمایا)۔اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی' تاکہ رسول تم پر (اللہ کے دین کی) گواہی دے اور تم دوسرے لوگوں پر (اس کی) گواہی دو' اور نماز کا اہتمام رکھو' اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط پکڑو' وہی تمہارا مرجع ہے' اور کیا ہی خوب مرجع اور کیا ہی خوب مددگار ہے!''

قرآن ہی ''حبل اللہ'' ہے!

اس آیت پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد اور شہادت علی الناس کی اصطلاحات میں وہ تمام تقاضے آ گئے جن کی ادائیگی بحیثیتِ امتِ مسلمہ ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے۔

اس کام کے لیے یہاں سہارا ''اعتصام باللہ'' فرمایا گیا۔اس اجمال کو سورۂ آل عمران میں کھول دیا گیا:﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آیت ۱۰۳) ''اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو مل جل کر اور تفرقے میں نہ پڑو!''

اب بھی کچھ اجمال رہ گیا کہ حبل اللہ سے مراد کیا ہے! چونکہ قرآن کی تبیین بھی آپؐ کے فرائض منصبی میں شامل تھی' لہٰذا آنحضورﷺ نے اپنے متعدد ارشاداتِ مبارکہ میں اس اجمال کی تشریح وتوضیح فرما دی کہ اللہ کی کتاب قرآن مجید ہی درحقیقت حبل اللہ ہے جس سے اعتصام کا' چمٹ جانے کا' جڑ جانے کا اور جس کو مضبوطی سے تھام لینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔حجۃ الوداع کے خطبہ کے آخری الفاظ میں آپ کو سنا چکا ہوں:((وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَالَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ : كِتَابُ اللّٰهِ)) ''اور میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جس کو اگر تم مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے' اور وہ چیز ہے: کتاب اللہ!''

حضرت علیؓ سے مروی ایک طویل حدیث میں نبی اکرمﷺ نے قرآن کی عظمت و شوکت' اس کے مقام و مرتبہ اور اس کی اہمیت بیان فرما کر قرآن مجید کے متعلق فرمایا: ((.....وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ))(۵) ''.....اور یہ قرآن ہی اللہ کی مضبوط رسی ہے''۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہﷺ کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:((كِتَابُ اللّٰهِ ، حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ))(۶) ''اللہ کی کتاب (کو تھامے رکھنا)' یہی وہ مضبوط رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے''۔حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی حدیث میں کم وبیش یہی الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا:((كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ))(۷) ''اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔'' مزید برآں حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

((اَلَيْسَ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۵) سنن الترمذی' ابواب فضائل القرآن' باب ما جاء فی فضل القرآن۔

(۶) سنن الترمذی' ابواب المناقب' باب مناقب اهل بیت النبیﷺ۔

(۷) صحیح الجامع الصغیر وزیادته' ح : ۴۴۷۳۔

وَاَنَّ الْقُرْآنَ جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ؟)) قُلْنَا بَلٰی، قَالَ: ((فَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ طَرْفُهٗ بِیَدِ اللّٰهِ وَطَرْفُهٗ بِاَیْدِیْکُمْ، فَتَمَسَّکُوْا بِهٖ فَاِنَّکُمْ لَنْ تَهْلِکُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا))(۸)

''کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے؟'' ہم نے عرض کیا یقیناً۔ تب آپؐ نے فرمایا: ''پس تم خوشیاں مناؤ، اس لیے کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں، پس اسے مضبوطی سے تھامے رکھو۔ (اگر تم نے ایسا ہی کیا تو) تم اس کے بعد نہ کبھی ہلاک ہوگے اور نہ کبھی گمراہ۔''

مسلمانوں کا احیاء: احیائے قرآن سے وابستہ!

سورۃ الحج کی آخری آیت کی طرف پھر مراجعت فرمایئے۔ وہاں جہاد اور شہادت علی الناس کے فرائض کا ذکر فرما کر ساتھ ہی ارکانِ اسلام میں سے بطور نمائندہ دو ارکان کے التزام کا حکم عطا فرما دیا اور اس طرح اُمت کی تربیت و تزکیہ کے طریق اور نصاب کا تعین فرما دیا۔ پھر اعتصام باللہ کا حکم دے کر قرآن کو اپنا ہادی و رہنما بنانے کی طرف بھی رہنمائی فرما دی۔ الغرض انقلابی جدوجہد کے پہلے جو دو قدم ہیں، ان کے لیے مبنیٰ و مدار، مرکز و محور، اس کا ذریعہ اور وسیلہ صرف اور صرف قرآن ہے۔ ہمارے زوال، انحطاط، پستی، نکبت اور ذلت و خواری کا حقیقی سبب درحقیقت اسی قرآن کو ترک کر دینا ہے۔ علامہ اقبال نے جو بات جوابِ شکوہ میں حد درجہ سادہ الفاظ میں یوں کہی تھی کہ ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

اسی بات کا علامہ مرحوم نے نہایت دردانگیز اور حسرت آمیز پیرائے میں اپنے فارسی کلام میں اس طرح اعادہ کیا ہے ؎

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی

(۸) مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب فضائل القرآن، باب فی التمسّك بالقرآن و دیگر کتب احادیث۔

اے چوں شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

''اے مسلمان! تیری ذلت و رسوائی کا اصل سبب تو یہ ہے کہ تو قرآن سے دور اور بے تعلق ہو گیا ہے، لیکن تو اپنی اس زبوں حالی پر الزام گردشِ زمانہ کو دے رہا ہے۔ اے وہ قوم کہ جو شبنم کے مانند زمین پر بکھری ہوئی ہے (اور پاؤں تلے روندی جا رہی ہے!) اُٹھ کہ تیری بغل میں ایک کتابِ زندہ موجود ہے! (جس کے ذریعے تو دوبارہ بامِ عروج پر پہنچ سکتی ہے!)''

گویا اسی ''کتاب زندہ'' سے مسلمانوں کا احیاء وابستہ ہے۔ اصلاحِ معاشرہ ہو، اسلامی نظام کا قیام ہو، اسلامی ممالک کی بقاء اور ان کا استحکام ہو، ان سب کا تعلق احیائے قرآن سے ہے۔ احیائے قرآن ہی مسلمانوں میں اللہ عزوجل، اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد کی محبت کی جوت جگائے گا اور ان کے دلوں میں ایمانِ تازہ کی مشعل فروزاں کرے گا۔ اسی قرآن سے مسلمانوں کا اللہ اور اس کے رسول سے تعلق صحیح بنیادوں پر استوار ہوگا۔ یہ کام نہیں ہوگا تو میرے نزدیک اس سلطنت خداداد پاکستان میں صحیح معنی میں اسلام کا وہ کام نہیں ہوگا جو مطلوب اور پیش نظر ہے۔ چند نمائشی اور ظاہری کام شاید ہو جائیں۔

یہی پیغام علامہ اقبال مرحوم پچاس ساٹھ سال قبل دے گئے ہیں کہ ملت کے تن مردہ میں انقلابی رُوح پھونکنے اور اس میں عمل کا داعیہ پیدا کرنے کے لیے آبِ حیات کا چشمہ و منبع دراصل قرآن ہی ہے:

بر خور از قرآں اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات
می دہد ما را پیامِ لَاتَخَفْ
می رساند بر مقامِ لَاتَخَفْ
گوہرِ دریائے قرآں سُفتہ ام
شرحِ رمزِ صبغۃ اللّٰہ گفتہ ام
فکرِ من گردوں مسیر از فیضِ اوست
جوئے ساحل ناپذیر از فیض اوست

پس بگیر از بادۂ من یک دو جام
تا درخشی مثلِ تیغ بے نیام!

’’(اے مسلمان) اگر دوام وثبات اور قوت واستحکام کا طالب ہے تو قرآن کے سامنے دست سوال دراز کر۔ اس لیے کہ مجھے قرآن ہی کے مخفی چشموں میں آبِ حیات کا سراغ ملا ہے!۔ یہ ہمیں بے خوفی کا پیغام ہی نہیں دیتا‘ بالفعل اس مقام تک پہنچا بھی دیتا ہے جہاں نہ خوف باقی رہتا ہے (نہ حزن!)۔ میں نے قرآن کے بحر بیکراں کے موتی بیندھ لیے ہیں اور ’صبغة الله‘ کے اسرار ورموز کی شرح بیان کر دی ہے۔ میرے فکر کی یہ بلندی اور گردوں نوردی سراسر قرآن ہی کے فیض سے ہے اور اسی کے طفیل میرے خیالات میں بحر بیکراں کی سی وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ پس (اگر خدا توفیق دے تو) میری شراب کے ایک دو جام چڑھا یعنی میرے فکر اور پیغام سے سرشار ہو کر آمادۂ عمل ہو جا تا کہ تو شمشیر برہنہ کے مانند چمکنے لگے!

ایک مقام پر فرماتے ہیں ؎

از یک آئینی مسلماں زندہ است
پیکرِ ملت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اُوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست
چوں گہر در رشتۂ اُو سفتہ شو!
ورنہ مانندِ غبار آشفتہ شو!

’’وحدتِ آئین ہی مسلمان کی زندگی کا اصل راز ہے اور ملّتِ اسلامی کے جسدِ ظاہری میں روحِ باطنی کی حیثیت صرف قرآن کو حاصل ہے۔ ہم تو سرتاپا خاک ہی خاک ہیں‘ ہمارا قلب زندہ اور ہماری روح تابندہ تو اصل میں قرآن ہی ہے۔ اس کو مضبوطی سے تھام لو کہ یہی حبل اللہ (اللہ کی رسی) ہے۔ (اے ملّتِ اسلامی! اب بھی وقت ہے کہ تو) اپنے آپ کو موتیوں کی طرح قرآن کے رشتے میں بیندھ اور پرو لے‘ ورنہ پھر اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ خاک اور دھول کے مانند پریشان اور منتشر (اور ذلیل وخوار) رہ!‘‘

اسلامی انقلابی جماعت کا قرآن میں ذکر

انقلابی نظریہ اور اس کے مطابق تربیت کے ساتھ ساتھ تنظیم کا مرحلہ چلتا ہے۔ چونکہ تنظیم

کے بغیر انقلابی جدوجہد تو دور کی بات ہے کوئی اصلاحی‘ رفاہی‘ فلاحی‘ تعلیمی اور سماجی نوع کے اجتماعی کام بھی انجام نہیں پا سکتے‘ اسی لیے اسلامی انقلابی جماعت کو قرآن نے ’’حزب اللہ‘‘ قرار دیا ہے اور اس کے لیے ’’اُمت‘‘ کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے۔ حزب (party) کسی اعلیٰ مقصد کی انجام دہی کے لیے وجود میں آتی ہے۔ اسی طرح اُمت کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ کسی امر جامع‘ کسی قدرِ مشترک‘ کسی نظریہ (ideology) کو قبول کر لیں تو اُن افراد کا مجموعہ ’اُمت‘ قرار پائے گا۔ یہی سبب ہے کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ کے لیے لفظ ’’قوم‘‘ استعمال نہیں کیا اور نہ حدیث میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ دنیا میں ہمیشہ سے قومیت کا تصور یہ چلا آ رہا ہے کہ وہ یا نسل کی بنیاد پر بنتی ہے یا علاقہ‘ ملک‘ وطن اور زبان کی بنیاد پر۔ یہ تصور ہمارے دین کے تصورات سے بالکل متضاد اور متناقض ہے۔ اسلام کا اصل الاصول ’’اخوت‘‘ ہے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے خواہ وہ مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا‘ خواہ وہ گورا ہو یا کالا‘ وہ چاہے کسی نسل‘ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو‘ کسی ملک کا رہنے والا ہو اور چاہے وہ کوئی زبان بولتا ہو۔ چنانچہ سورۃ الحجرات میں فرمایا: ﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ﴾ (آیت ۱۰) ’’بالیقین تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں‘‘۔ اس اصل الاصول کی بھی علامہ اقبال نے خوب ترجمانی کی ہے۔ ’’ترانۂ ملی‘‘ کے نام سے ان کی بڑی مشہور نظم ہے‘ جس کا پہلا شعر ہے ؎

چین و عرب ہمارا‘ ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم‘ وطن ہے سارا جہاں ہمارا!

بانگ درا میں ’’طلوعِ اسلام‘‘ کے عنوان سے ایک طویل نظم کو علامہ کی اُردو ملی شاعری کے نہایت فصیح و بلیغ ’خلاصے‘ کا مقام دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ علامہ فرماتے ہیں ؎

یہی مقصودِ فطرت ہے‘ یہی رمزِ مسلمانی
اُخوت کی جہانگیری‘ محبت کی فراوانی!
بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی‘ نہ ایرانی‘ نہ افغانی!
میانِ شاخساراں صحبت مرغِ چمن کب تک

ترے بازو میں ہے پروازِ شاہین قہستانی!
گماں آباد ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی!
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ، فقرِ بوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ!
ہوئے احرارِ ملت جادہ پیما کس تجمل سے
تماشائی شگافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی!
ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دُنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی!
جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا!

بانگ درا ہی میں ''وطنیت'' کے عنوان سے علامہ نے وطنی قومیت کی نفی میں جو معرکتہ الآراء نظم کہی ہے' بے اختیار اس کا ایک بند یاد آ رہا ہے ؎

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دین نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے!

اسی طرح اقبال نے اپنی نظم ''مذہب'' میں کہا:

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِؐ ہاشمی!
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری!

اس ضمن میں علامہ کے فارسی کلام سے بھی دو شعر پیش کرتا ہوں ؎

کُلُّ مُؤمن اخوۃٌ اندر دلش
حریت سرمایۂ آب و گلش
نا شکیب امتیازات آمدہ
در نہادِ اُو مساوات آمدہ

''اس کے (یعنی بندۂ مؤمن کے) دل میں یہ حقیقت جاگزیں ہے کہ ''تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں!'' اسی طرح جذبۂ حریت بھی اس کے ضمیر میں رچا بسا ہوا ہے' وہ (نسلی' لسانی یا علاقائی) امتیازات سے بالکل ناواقف ہے اور مساوات اس کی سرشت میں موجود ہے!''

جماعت اور تنظیم کی ضرورت و اہمیت

یہ تمام معروضات میں نے اس لیے پیش کی ہیں کہ قرآن کے انقلابی فکر اور نظریے سے چہار دانگ عالم کو روشناس اور واقف کرانے اور اسلامی انقلاب کے لیے جماعت' تنظیم اور حزب (پارٹی) کا وجود و قیام لابُدّ منہ ہے' لازم ہے' واجب ہے۔ جماعت کے بغیر کوئی اجتماعی کام انجام دینا بھی محال ہے تو اس کے بغیر اسلامی و قرآنی انقلاب کا فریضہ کیسے انجام دیا جا سکتا ہے؟ پھر جماعت و تنظیم بھی انجمن اور اداروں کی طرز کی ڈھیلی ڈھالی مطلوب نہیں ہے' بلکہ وہ جماعت درکار ہے جس کی تعلیم ملتی ہے نبی اکرم ﷺ کے اس تاکیدی فرمان میں:

((اَنَا آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ' اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ : بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ))(۹)

مسلمانو! میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں' اللہ نے مجھے ان (باتوں) کا حکم دیا ہے: التزامِ جماعت کا (حکم)' سننے کا (حکم)' ماننے کا (حکم)' ہجرت (راہِ خدا میں ترکِ وطن) کا اور اللہ کی راہ میں جہاد کا (حکم)۔''

قرآنِ مجید اور دین کی مجموعی تعلیمات سے لزومِ جماعت کے لیے متعدد استشہاد پیش کیے جا سکتے ہیں' لیکن میں دو آیات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۱۰ میں واضح طور پر فرمایا:

﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ

(۹) مسند احمد' کتاب مسند الشامیین' باب حدیث الحارث الاشعری عن النبی ﷺ۔

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط﴾

''(اے اہلِ ایمان!) ہم نے تم کو ایک بہترین امت بنایا ہی اس مقصد کے لیے ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دو' برائیوں سے روکو اور اللہ پر پختہ ایمان رکھو۔''

گویا امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس امت کا منشور (manifesto) ہے۔ اس کام کی انجام دہی اس کا فرض منصبی ہے۔ دنیا میں ''اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ '' کا عملی مظاہرہ اُمت کو کرنا ہے۔ اسی کی ترجمانی علامہ نے ''شکوہ'' میں یوں کی ہے:

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوعِ انسانی کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

اور ایک اگلے بند کے آخری شعر میں کہتے ہیں ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے' جام رہے؟

(ان اشعار میں اصل میں تو متقدمین کا تذکرہ ہے۔ اس بند میں ان کے کارناموں کو بطور تلمیح بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ہمارا جو حال ہے' اس کا نقشہ دیکھنا ہو تو علامہ کا ''جوابِ شکوہ'' پڑھیے۔)

اگر اُمت بحیثیت اُمت اپنے فرضِ منصبی کی انجام دہی سے غافل ہو جائے تو کیا کیا جائے؟ اس کا حل بھی سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۴ میں بیان فرما دیا گیا:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۱۰۴﴾

''اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے' نیکی کا حکم دیتی رہے اور بدی سے روکتی رہے۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

اس آیت کے آخر میں حصر کا اسلوب ہے' یعنی حقیقی فلاح پانے والے اس گروہ' جماعت' تنظیم کے لوگ ہوں گے جن کا مقصدِ حیات ہی دعوت اِلی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہوگا۔

انقلاب کے تکمیلی مراحل

میں نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ قرآنی انقلاب اور اصلاحِ معاشرہ کا انقلابی پہلو واضح

طور پر آپ کے سامنے بیان کر دوں۔ ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ انقلابِ محمدی ﷺ کے تین مراحل ہیں جو ہر انقلابی جدوجہد کے لیے ناگزیر ہوتے ہیں۔ پہلا مرحلہ انقلابی نظریہ وفکر ہے اور اس کے لیے ہمارے پاس قرآن مجید ہے۔ دوسرا مرحلہ ہے اس انقلابی نظریہ کے مطابق جدوجہد کے لیے ایک تنظیم کا قیام۔ اس کے لیے یہ اصول بیان کر دیا گیا کہ یہ تنظیم ٹھیٹھ اسلامی اصولوں کے مطابق سمع وطاعت (discipline) والی تنظیم ہو۔ تیسرا مرحلہ تربیت ہے اور اس کے لیے اسلام نے ہمیں عبادات اور اخلاقیات ومعاملات کا ایک مکمل نظام اور نصاب دیا ہے۔

اس سے آگے کے تین تکمیلی مراحل ہیں اور اُن کا جامع عنوان ہے: ''تصادم اور کشمکش'' یا جہاد وقتال فی سبیل اللہ۔ تنظیم کا مرحلہ پہلے دو مرحلوں سے بھی مربوط ہے اور ان تکمیلی تین مراحل سے بھی۔ ان تکمیلی مراحل میں سے پہلا مرحلہ ہے: صبر ومصابرت اور ثبات واستقامت کا۔ جیسے سورۃ الاحقاف میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ (آیت ۱۳) ''بے شک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جم گئے''۔ بعینہٖ یہ الفاظ سورۂ حٰمٓ السجدۃ کی آیت ۳۰ میں بھی آئے ہیں۔

ہر انقلابی فکر ونظریہ اور دعوت کو رائج الوقت جابرانہ اور استحصالی نظام کے طنز واستہزاء' جو روستم اور ظلم وعدوان کا بتدریج نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اس مرحلے کے لیے ہدایت یہ ہوتی ہے: كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔ ماریں کھاؤ' ظلم کی چکی میں پستے رہو لیکن جوابی کارروائی نہیں کر سکتے' ہاتھ نہیں اُٹھا سکتے۔ اس طرح ایک طرف تو اس انقلابی جماعت کی تربیت اور آزمائش ہوتی ہے اور دوسری طرف عامۃ الناس کے دل اس دعوت کی طرف ملتفت ہونے لگتے ہیں۔ یہ دعوت ان کی ہمدردیاں غیر محسوس طریق پر حاصل کرتی رہتی ہے۔ اس کو میں صبرِ محض (passive resistance) سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔

دوسرا مرحلہ وہ ہوتا ہے جب اس انقلابی جماعت کو قوت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ جوابی کارروائی کرنے کی پوزیشن میں آ جاتی ہے تو یہ جماعت رائج نظام کی کسی دکھتی رگ کو چھیڑتی ہے۔ اس عمل کو میں اِقدام (active resistance) سے تعبیر کرتا ہوں۔ تیسرا اور آخری مرحلہ ہوتا ہے مسلّح تصادم (armed conflict) کا۔ یہی وہ مرحلہ ہے کہ جس کے متعلق اللہ

تعالیٰ سورۃ الصّف میں فرماتا ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝﴾

''اللہ کو تو محبوب ہیں وہ بندے جو اُس کی راہ میں صفیں باندھ کر قتال کرتے ہیں' جیسے کہ وہ سیسہ پلائی دیوار ہوں۔''

جس کو علامہ اقبال نے یوں تعبیر کیا ہے کہ:

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!

میں نے کتاب وسنت کا جو تھوڑا بہت مطالعہ اور اس میں غور وفکر کیا ہے اس کی روشنی میں ۱۹۷۰ء ہی میں اس نتیجہ پر پہنچ گیا تھا کہ ان فرائض دینی یعنی تکبیرِ رب' اقامتِ دین' اظہارِ دین الحق علی الدین کلہ کے لیے جو جماعت بنے گی اس کی اساس بیعت پر ہوگی۔ چنانچہ میں نے جو جماعت تنظیم اسلامی کے نام سے قائم کی ہے اس کی بنیاد بیعت پر رکھی ہے۔ میں ہر اُس شخص سے تبادلۂ خیال اور افہام وتفہیم کے لیے ہر وقت تیار ہوں جو کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت کر دے کہ اس مقصد کے لیے بیعت کے علاوہ بھی کسی دوسرے طریقہ کار کے لیے قرآن و حدیث سے رہنمائی ملتی ہے۔ میں نے اپنے فہم کے مطابق طریق بیعت اختیار کیا ہے تو اُسے میں پورے شرحِ صدر کے ساتھ کتاب وسنت سے ماخوذ ہی نہیں بلکہ عین اس کے مطابق یعنی مسنون سمجھتا ہوں اور اسی پر جازم ہوں۔

میں ان تکمیلی مراحل کے اس اجمالی بیان پر اکتفا کرتے ہوئے آج کی اس طویل تقریر کے خلاصے پر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ انقلابی دعوت اسی قرآن کی بنیاد پر اُٹھے۔ اسی قرآن کے ذریعہ سے تزکیہ وتربیت ہو۔ اسی قرآن کی تعلیم کا صحیح اور مؤثر انتظام ہو۔ یہ ہیں درحقیقت اس انقلاب کے ناگزیر لوازم جن کو اسلامی انقلاب کہا جاتا ہے' اور ان کے بغیر نہ انقلابِ اسلامی آئے گا اور نہ ہی اصلاحِ معاشرہ کی کوئی تحریک کامیاب ہوگی۔ تمام کوششیں ٹھٹھر کر رہ جائیں گی' وہ اپنے ماحول سے غذا ہی نہیں پائیں گی' اور حال یہ ہوگا کہ ؎

آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
اور ہو جائے تو مرجاتی ہے یا رہتی ہے خام!

اقول قولی هذا واستغفرا اللّٰه لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

ماہِ رمضان اور قرآن

چودھری رحمت اللہ بُٹر ☆

اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کا حکم دیا تو ساتھ ہی وعدہ فرمایا:

﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ﴿۱۲۷﴾﴾ (طٰہٰ)

''پس جب بھی میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جو پیروی کرے گا میری ہدایت کی وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ ہی بدبخت۔ اور جو میری اس نصیحت سے منہ موڑے گا اس کے لیے زندگی اجیرن ہوگی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہے جبکہ میں تو آنکھوں والا تھا؟ اللہ فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئی تھیں تو تم نے انہیں نظرانداز کر دیا' اور اسی طرح آج تمہیں بھی نظرانداز کر دیا جائے گا۔ اور ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اس کو جو حد سے آگے بڑھ جاتا ہے اور ہماری آیات پر ایمان نہیں لاتا۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت سخت اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔''

یہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کے لیے پورا کیا اور ہر امت کی طرف اپنی ہدایت بھیجی۔ اور جن کتابوں کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے وہ بھی سب کی سب رمضان ہی میں نازل کی گئیں۔ چنانچہ صحفِ ابراہیم علیہ السلام یکم رمضان' تورات ۱۸ رمضان' زبور ۱۲ رمضان اور قرآن مجید لیلۃ القدر میں اتارا گیا۔ اور روزے کی عبادت بھی ہر امت پر فرض رہی ہے۔

☆ مرکزی ناظم دعوت وتربیت' تنظیم اسلامی پاکستان

اللہ تعالیٰ کی ہدایت اتنی عظیم نعمت ہے کہ اس کا تعلق جس شے سے بھی ہو جاتا ہے وہ اسے مبارک بنا دیتی ہے۔ چنانچہ دیکھئے' ہفتے کے دنوں میں سے جمعہ مبارک دن ہے تو اس کی برکت کا ذریعہ بھی قرآن مجید ہے۔ اصل میں جمعہ کو فضیلت خطبۂ جمعہ کی وجہ سے ملی ہے۔ اس میں نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ ''كَانَ يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ'' آپ ﷺ قرآن مجید کے ذریعے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے۔ سال کے مہینوں میں سے رمضان کو جو برکت ملی ہے اس کا سبب اس ماہ میں قرآن مجید کا نزول ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ﴾ (البقرۃ: ۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا تمام انسانیت کے لیے ہدایت بنا کر اور ہدایت بھی وہ جو بالکل روشن ہے اور حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔''

اور پھر جس رات کو اس کا نزول لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر ہوا' اس کو ایک ہزار مہینوں سے زیادہ خیر و برکت مل گئی:

﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾ لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۛ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾﴾ (القدر)

''بے شک ہم نے اس (قرآن مجید) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور جبرائیلؑ اللہ کے اذن سے ہر کام پر نازل ہوتے ہیں۔ (اس رات) سلامتی ہی سلامتی ہے طلوعِ فجر تک۔''

اب ذرا قرآن مجید کی عظمت کا اندازہ کیجئے کہ وہ خود کتنی عظمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعے انسانوں کو شعور دلایا ہے:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (الحشر)

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرما دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کی عظمت و ہیبت

سے دب جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ اور یہ مثال ہم انسانوں کے لیے بیان کر رہے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔''

اس لیے اس کلام کو واسطوں کے ذریعہ نازل کیا گیا' کیونکہ براہِ راست تحمل ممکن نہ تھا۔ فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝۵۱﴾ (الشوریٰ)

''اور کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے' سوائے وحی کے (بندے کے دل میں بات سرعت سے ڈال دیتا ہے) یا (پھر وہ بات کرتا ہے) پردے کی اوٹ سے' یا وہ اپنا ایلچی (فرشتہ) بھیجتا ہے تو وہ وحی کرتا ہے اُس کے اِذن سے جو وہ چاہتا ہے۔ یقیناً وہ بہت بلند و بالا ہے' کمالِ حکمت والا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۷ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸﴾ (یونس)

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت (اور خیر خواہی) پہنچ گئی ہے اور تمہارے سینوں (کے اَمراض) کی شفا اور اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت۔ (اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجئے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے' تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں۔ یہ کہیں بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے (كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ) چنانچہ یہ قرآن مجید ہی ہے جو انسان کو اللہ سے جوڑنے کا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ الحج کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۷۸﴾ ''(اے ایمان والو!) اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے تھام لو! وہی تمہارا پشت پناہ ہے' پس وہ کتنا ہی اچھا مولا ہے اور کتنا ہی اچھا مددگار!'' اب سوال پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو کیسے تھاما جائے؟ وہ تو کوئی مرئی ہستی نہیں ہے۔ اس کو قرآن میں مزید واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے جڑنا ہے تو ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران:۱۰۳) ''اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام

لو اور اس بارے میں اختلاف میں نہ پڑو!''

اب پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی یہ رسّی کون سی ہے؟ تو اس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان میں واضح فرما دیا کہ قرآن مجید وہ مضبوط رسّی ہے: ((هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ)) (رواہ الترمذی فی روایۃ طویلۃ علی ھذا) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ)) (صحیح الجامع) ''اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔''

مزید برآں معجم طبرانی کبیر میں حضرت جُبیر بن مُطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی مکرم ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں قرآن مجید پڑھ پڑھا رہے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ کے چہرے پر بشاشت کے آثار نمایاں ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلَيْسَ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ الْقُرْآنَ جَآءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ!)) ''کیا تم اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں؟ اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے؟'' حضرت جبیرؓ آگے روایت کرتے ہیں: قُلْنَا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ''ہم نے عرض کیا: یقیناً ایسا ہی ہے اے اللہ کے رسول!'' حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی اس تصدیق و شہادت کے بعد فرمایا: ((فَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرَفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ)) ''پھر تو خوشیاں مناؤ' اس لیے کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ہے''۔ آگے ارشاد ہوا: ((فَتَمَسَّكُوْا بِهٖ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوْا وَلَنْ تُضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا)) ''پس اسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو! (اگر تم نے ایسا کیا) تو اس کے بعد تم نہ کبھی ہلاک ہو گے اور نہ کبھی گمراہ''۔ اس حدیث شریف میں گویا حبل اللہ کی شرح موجود ہے کہ یہ قرآن حکیم ہے۔

قرآن حکیم کی عظمت اور فضیلت کے بارے میں یہ حدیث قدسی ملاحظہ کیجیے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَقُوْلُ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ وَذِكْرِيْ عَنْ مَسْاَلَتِيْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِي السَّائِلِيْنَ ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ

كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ)) (سنن الترمذی و ضَعَّفَهُ الالبانیؒ)

''جس شخص کو قرآن مجید (کے پڑھنے پڑھانے) اور میرے ذکر (یعنی قرآن) کی مشغولیت کے باعث مجھ سے مانگنے کی فرصت نہ ہو تو میں اسے بہتر عطا کرتا ہوں بہ نسبت ان کے جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت دوسرے کلاموں پر ایسے ہی ہے جیسے خود اللہ تعالیٰ کی فضیلت اپنی تمام مخلوق پر ہے۔''

علامہ اقبال نے اسے یوں بیان کیا ہے:

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا ست ایں
زندہ و پائندہ و گویا ست ایں

''(اس کتاب کے بارے میں) جو بات میرے دل میں پوشیدہ ہے اسے اعلانیہ ہی کہہ گزروں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک کتاب نہیں کچھ اور ہی شے ہے!
یہ ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ (کا کلام ہے' لہٰذا اسی) کے مانند پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی۔ اور جیتی جاگتی بولتی بھی ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والی بھی!''

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ لِكُلِّ شَیْءٍ شَرَفًا یَتَبَاهُونَ بِهٖ، وَاِنَّ بِهَاءَ اُمَّتِی وَشَرْفُهَا الْقُرْآن))

(رواه الطبرانی)

''بے شک ہر چیز کے لیے ایک شرف ہوتا ہے جس پر فخر کیا جاتا ہے' اور میری امت کے لیے وہ شرف اور فخر کی چیز قران مجید ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رمضان المبارک میں نبی کریم ﷺ کا معمول یوں بیان کیا ہے:

كان النبی ﷺ اجودَ الناس بالخير، وكان اجودَ ما يكون فی رمضان حين يلقاه جبريل عليه السلام، وكان جبريل عليه السلام يلقاه كل ليلة حتى ينسلخ، يعرض عليه النبی ﷺ القرآن، فاذا لقيه جبريل عليه السلام كان اجود بالخير من الريح المرسلة (رواه البخاری)

''نبی اکرم ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں جب جبریل علیہ السلام سے

ملاقات کرتے تو آپ کی سخاوت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ اور جبریل علیہ السلام ماہِ رمضان کے دوران آپ ﷺ سے ہر رات ملاقات کرتے تھے' اور نبی اکرم ﷺ جبریل علیہ السلام پر قرآن پیش کرتے تھے۔ پس جب آپ ﷺ جبریل علیہ السلام سے ملاقات کرتے تو آپ ﷺ کی سخاوت تند و تیز ہوا سے بھی زیادہ بڑھ جاتی تھی۔''

کتب احادیث میں آپ ﷺ کا ایک فرمان نقل ہوا ہے:

((اِذَا اَحَبَّ اَحَدُكُمْ اَنْ يُحَدِّثَ رَبَّهٗ فَلْيَقْرِءِ الْقُرآن)) (كنز العمال)

''جب تم میں کسی کو اپنے رب سے ہم کلامی کی چاہت ہو تو وہ قرآن کی تلاوت کرے۔''

اس لیے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے تخاطب ہی تو ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّ يَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ))

(صحيح مسلم)

''بے شک اللہ تعالیٰ اب (قرآن کے ماننے والی) اقوام کو اسی کتاب کے ذریعے عروج عطا فرمائے گا اور اسی کو چھوڑنے پر زوال پذیر کرے گا۔''

قرآن مجید میں یہ اعلان فرما دیا گیا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدة: ٣)

''آج کے دن میں نے کامل کر دیا ہے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت (ہدایت) اور اسلام کو بطور دین تمہارے لیے پسند کر لیا ہے۔''

یہ ہے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت جو اس امت پر ہوئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے نزول کا مقصد کیا ہے؟ اور آیا امتِ مسلمہ اس مقصد کو پورا کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے اور اس کے حقوق ادا کر رہی ہے یا پہلی امتوں کی طرح اس سے پہلوتہی کر رہی ہے اور اس کے تقدس کو پامال کر رہی ہے!

جیسے ابتدا میں ذکر کیا گیا' اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت انسانی کے لیے نازل کیا ہے اور قرآن مجید میں جہاں اس کے نزول کا ذکر آیا ہے وہاں بھی یہی فرمایا ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ﴾ (البقرۃ: ۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا جو تمام انسانیت کے لیے ہدایت کا سامان ہے اور ہدایت بھی وہ جو بالکل روشن ہے اور حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔''

چنانچہ انسان کی اصل ضرورت و احتیاج بھی یہی ہے' جس کے لیے ہمیں سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے خود سکھایا ہے کہ یوں دعا کرو:

﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝۵ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝۶ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝۷﴾

''(اے اللہ!) ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت دے۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا انعام ہوا' نہ ان پر تیرا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔''

اور اسی کے جواب میں فرما دیا گیا کہ اگر تمہارے اندر طلبِ ہدایت پیدا ہو گئی ہے تو پھر:

﴿الٓمّٓ ۝۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝۲﴾ (البقرۃ)

''الم۔ یہ وہ کتاب ہے جس (کے کلام الٰہی ہونے) میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے پرہیزگار لوگوں کے لیے۔''

یعنی ان کے لیے جو ہدایت کے طالب ہوں۔ متقی (پرہیزگار) اسے ہی کہتے ہیں جو اللہ کی ہدایت جاننا چاہتا ہو کہ میں اس پر عمل پیرا ہو کر اللہ کی نافرمانی سے بچ جاؤں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اس معاملہ میں بالکل اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے' کیونکہ جب وہ اپنی عقل سے راہ معیّن کرتا ہے تو اعتدال پر نہیں رہ پاتا بلکہ انتہا پسندی کی طرف نکل جاتا ہے۔ اس کے لیے اعتدال اور روشن راہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نازل کرتا ہے' کیونکہ وہ تمام مخلوق کا خالق ہے' اس کی ضرورتوں سے خوب واقف ہے اور اس کے حقوق و فرائض کا تعین کرنے والا ہے۔ خاص طور پر ایمان کا تو یقینی ذریعہ ہی نورِ وحی ہے جو آ کر نورِ فطرت کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی تفاصیل سے انسان کو آگاہ کرتا ہے۔ اور پھر اجتماعی معاملات میں تو انسان کبھی بھی سیدھی راہ پر قائم نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کی رہنمائی نہ کی جاتی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی انسان راہِ اعتدال کو چھوڑ کر مادر پدر آزاد معاشرت' سود پر مبنی کیپٹلزم اور کبھی کمیونزم کی طرف بڑھتا ہے' اور کبھی

اسلام کے عادلانہ نظام سے بچنے کے لیے اسے روشن خیال بنانے پر دولت نچھاور کرتا ہے۔

انسان حُبِ عاجلہ کا شکار ہو کر انبیاء و رسل علیہم السلام کا لایا ہوا معاشرتی' معاشی اور سیاسی نظامِ عدل و قسط برباد کرتا رہا ہے' اور جس کو اختیار مل جاتا ہے وہ اپنے لیے مراعات حاصل کرنے اور دوسروں کو دبانے کا رویہ اپنا لیتا ہے' جس سے مرد و عورت' سرمایہ اور دولت' ریاست اور عوام کے حقوق و فرائض میں توازن بگڑ جاتا ہے اور دنیا ظلم اور اندھیر نگری نظر آنے لگتی ہے' جیسے آج طاقت کے نشے میں امریکہ مسلم ممالک کے سربراہوں کو خوف و لالچ کے ذریعے اپنے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اپنی قومی دولت اور عسکری قوت کے بے دریغ استعمال پر تلا ہوا ہے۔ ان بین الانسانی معاملاتِ اجتماعی میں اگر توازن پیدا ہوا ہے تو انبیاء و رُسل علیہم السلام کے ذریعے۔ اور پھر آخری بار دورِ خلافتِ راشدہ میں مساوات' اخوت اور آزادیٔ رائے کے نمونے اس نظام کے تحت دنیا نے دیکھے جو خالقِ کائنات کا اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہوا نظام ہے' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۵۲﴾ (الشوریٰ)

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جیسے ہم پہلے رسولوں کی طرف وحی کرتے رہے ہیں) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے ایک روح اپنے امر میں سے۔ آپ کو معلوم نہ تھا کہ شریعت کے احکام کیا ہوتے ہیں اور ایمان کی تفاصیل کیا ہیں' لیکن ہم نے اپنے کلام کو وہ نور بنایا ہے جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں جسے چاہیں ہدایت عطا کرتے ہیں۔ اور اب آپ (اس ہدایت کی بدولت) لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف راہنمائی دے رہے ہیں۔''

اس ہدایت کو اللہ تعالیٰ نے نازل ہی اس لیے کیا ہے کہ اب اس کے تحت نوع انسانی کے تمام معاملات چلائے جائیں اور پہلے جو ضابطے اُس نے اپنے رسولوں کو دے کر بھیجے تھے وہ بھی اسی کے تابع ہو جائیں۔ چنانچہ فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ

كُلِّهٖ﴾ (الصف: ۹)

''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول ﷺ کو کامل ہدایت اور دین الحق دے کر تاکہ اسے پورے نظامِ زندگی پر غالب کر دے۔''

اور فرمایا:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾ (التوبة)

''(اے آخری رسول ﷺ کے ماننے والو!) تمہاری جنگ جاری رہنی چاہیے ان سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر' اور نہ حرام قرار دیتے ہیں ان چیزوں کو جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے' اور نہ قبول کرتے ہیں دین حق کی تابع داری کو' ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی تھی' یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں اور چھوٹے (تابع) بن کر رہیں۔''

یعنی اپنے دین کو مذہب بنالیں۔ اپنے عقائد وعبادات اور رسومات کو جاری رکھیں' لیکن اجتماعی معاملاتِ انسانی میں ان کو دین الحق کے نظام کے تحت زندگی گزارنا ہوگی۔ یہی وہ دین الحق اور الہدیٰ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا:

((قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ كِتَابُ اللّٰهِ))

(مسلم)

''اور میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑ لو گے تو اس کے بعد کبھی گمراہ نہیں ہوگے' وہ کتاب اللہ ہے!''

یہی ہے جس کی اہمیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے امت کو بصراحت آگاہ فرما دیا:

((عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ))، قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: ((كِتَابُ اللّٰهِ، فِيْهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ، وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ، وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ، هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ، مَنْ تَرَكَهٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ، وَمَنِ ابْتَغَى

الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ، وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ، هُوَ الَّذِيْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ، وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ، وَلَا تَنْقَضِيْ عَجَائِبُهٗ، هُوَ الَّذِيْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا: ﴿اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ﴾ مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ، وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ، وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ، وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)) (رواه الترمذی والدارمی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب ایک بہت بڑا فتنہ برپا ہوگا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس سے نکلنے کا ذریعہ کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کتاب اللہ! اس میں خبریں ہیں ان کی بھی جو تم سے پہلے ہو گزرے اور تمہارے بعد والوں کی بھی' اور تمہارے اختلافات کے فیصلے موجود ہیں۔ یہ فیصلہ کن کتاب ہے' کوئی یاوہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی اس سے بے اعتنائی کرے گا غرورِ نفس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے پیس کر رکھ دے گا' اور جو کوئی اس کے علاوہ کہیں سے ہدایت ڈھونڈے گا اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا۔ اور یہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے' اور یہی پُرحکمت نصیحت ہے' اور یہی صراط مستقیم ہے۔ اس میں خواہشات ٹیڑھ پیدا نہیں کر سکتیں' زبان کا لوچ اس میں التباس پیدا نہیں کر سکتا اور علماء اس سے سیری حاصل نہیں کر سکتے' اور بار بار پڑھنے سے اس پر بوسیدگی طاری نہیں ہو سکتی' اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جوں ہی جنوں نے اسے سنا تو یہ کہنے میں کوئی دیر نہیں کی کہ ''ہم نے بڑا ہی دل پسند قرآن سنا ہے' جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے' پس ہم اس پر ایمان لے آئے''۔ جو کوئی اس کی بنیاد پر بات کرے گا وہ سچ کہے گا' اور جو اس کے مطابق عمل کرے گا اجر پائے گا' اور جو اس کے مطابق فیصلے کرے گا عدل کرے گا' اور جو دوسروں کو اس کی طرف بلائے گا وہ لازماً سیدھی راہ پالے گا۔''

اصل میں یہ سب صفات خود اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے بارے میں قرآن مجید میں بیان کی ہیں' جن کو جوامع الکلم کی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے یہاں جمع کر دیا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ﴾ (الانبیاء: ۱۰)

''لوگو! ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کر دی ہے' اس میں تمہارا ذکر موجود ہے۔''

اس کی عظمت سورۃ الواقعہ میں بایں الفاظ بیان کی گئی ہے:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾﴾

''پس نہیں! قسم ہے مجھے ان مقامات کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں۔ اور یقیناً یہ بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانو! یقیناً یہ بہت عزت والا قرآن ہے۔ ایک چھپی ہوئی کتاب میں۔ اسے چھو نہیں سکتے مگر وہی جو بالکل پاک ہیں۔ اس کا اتارا جانا ہے ربّ العالمین کی جانب سے۔ تو کیا تم لوگ اس کتاب کے بارے میں مداہنت کر رہے ہو؟ اور تم نے اپنا نصیب یہ ٹھہرا لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلا رہے ہو! تو کیوں نہیں' جب جان حلق میں آ (کر پھنس) جاتی ہے۔ اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو۔ اور ہم تمہارے مقابلے میں اس سے قریب تر ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں پاتے۔ تو اگر تم کسی کے اختیار میں نہیں ہو' تو اس (جان) کو لوٹا کیوں نہیں لیتے اگر تم سچے ہو؟''

اور فرمایا:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ (المائدۃ)

''(اے ہمارے رسول ﷺ!) ان کے درمیان فیصلے کیجیے اس (شریعت) کے مطابق جو کہ اللہ نے اتاری ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور ان سے ہوشیار رہیے'

ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ آپ کو ان میں سے کسی چیز سے بچلا دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی طرف نازل کی ہیں۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو جان لیجئے کہ اللہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ لوگوں میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ کیا یہ جہالت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ سے کون بہتر ہے فیصلے کرنے میں ان لوگوں کے لیے جو (اس کتاب پر) یقین رکھنے والے ہیں!''

یہی ہے وہ وراثت جو اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کے لیے چھوڑ کر گئے' جس کا احساس دلایا ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس طریقہ سے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ: اَرَاكُمْ هٰهُنَا وَ مِيْرَاثُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُقْسَمُ فِي الْمَسْجِدِ! فَذَهَبُوْا وَانْصَرَفُوْا وَقَالُوْا: مَا رَاَيْنَا شَيْئًا يُقْسَمُ، رَاَيْنَا قَوْمًا يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ، قَالَ: فَذٰلِكُمْ مِيْرَاثُ نَبِيِّكُمْ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک دن بازار تشریف لے گئے اور لوگوں سے فرمایا کہ میں تم کو یہاں دیکھ رہا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی میراث مسجد میں بانٹی جا رہی ہے! لوگ فوراً مسجد میں گئے اور پھر واپس آ گئے' اور آ کر کہنے لگے کہ ہم نے تو وہاں کوئی چیز تقسیم ہوتے نہیں دیکھی' وہاں پر تو ہم نے دیکھا کہ کچھ لوگ قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہی تو تمہارے نبی ﷺ کی میراث ہے!''

یہ ہے وہ وراثت ہے جو امتوں کو سپرد کی جاتی ہے لیکن وہ اس کی قدر نہیں کرتیں اور ان کو صرف مقدس کتاب کے طور پر پاس رکھتی ہیں اور ان سے ہدایت لینے کی نوبت نہیں آتی۔ جیسے آج کل امتِ مسلمہ کی اکثریت اگر قرآن پڑھتی بھی ہے تو بغیر سمجھے صرف حصولِ ثواب کے لیے' بلکہ آج کل تو وہ صرف ایصالِ ثواب کی کتاب رہ گئی ہے۔ حالانکہ اس کتاب میں یہ کہیں نہیں لکھا ہوا' بلکہ فرمایا گیا ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾﴾ (ص)

''یہ ایک بابرکت کتاب ہے جو (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے' تاکہ لوگ اس کی آیات پر تدبّر کریں اور عقل مند اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

اورفرمایا:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾﴾ (یٰس)

''اور ہم نے اپنے رسولؐ کو شعر و شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے۔ یہ تو ایک یاددہانی اور واضح قرآن ہے' تاکہ وہ خبردار کرے (اس کے ذریعے) ان کو جو زندہ ہیں اور نہ ماننے والوں پر حجت قائم ہو جائے۔''

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' اور یہ تو اس کی برکت ہے کہ پڑھنے پر ثواب ملتا ہے۔ اصلاً تو یہ ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب اللہ نے عطا کی تھی اس کے بارے میں بھی قرآن مجید میں یہ ارشاد موجود ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾﴾ (المؤمن)

''ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی ہدایت عطا فرمائی اور پھر اس کتابِ ہدایت کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔ اس میں ہدایت اور یاددہانی تھی اہلِ عقل کے لیے۔''

لیکن یہی امتی پھر یہاں تک پہنچ جاتے ہیں جو نقشہ کھینچا ہے قرآن مجید نے اُس وقت کے یہودیوں کا:

﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾﴾ (الاعراف)

''پھر ان کے بعد ایسے (ناخلف) جانشین کتاب کے وارث بنے جو اس دنیا کے ساز و سامان ہی کو حاصل کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم کو تو بخش ہی دیا جائے گا۔ اور اگر ایسا ہی اور سامان بھی ان کو دے دیا جائے تو لپک کر لیں گے۔ کیا ان سے پختہ عہد نہ لیا گیا تھا کتاب (تورات) کے بارے میں کہ وہ اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کریں گے مگر حق' اور انہوں نے پڑھ بھی لیا جو کچھ اس میں درج تھا۔ اور آخرت کا گھر تو بہت بہتر ہے ان کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے!''

اس امت کے بارے میں بھی فرما دیا:

﴿وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾﴾ (فاطر)

اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے جو وحی بھیجی ہے آپ کی طرف کتاب میں سے' وہی حق ہے' تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اُس (کتاب) کی جو اس سے پہلے موجود ہے۔ پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا' تو ان میں سے کچھ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں' اور ان میں کچھ درمیانی راہ پر چلنے والے ہیں' اور ان میں سے کچھ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں' اللہ کی توفیق سے۔ یہی بہت بڑی فضیلت ہے۔''

اور فرمایا کہ آسمانی کتابوں کے وارث اصل میں ان کے بارے میں شک میں پڑ جاتے ہیں' پھر وہ صرف نام کتاب کا لیتے ہیں مگر ان کے مندرجات پر ان کا یقین نہیں رہتا' کیونکہ ان کو زندگی کی رہنمائی کے لیے اختیار نہیں کرتے۔ جیسے آج کل اسلامی ممالک میں ہو رہا ہے کہ کتاب کی حد تک تو مانتے ہیں کہ اللہ کی ارسال کردہ ہے' لیکن پورا نظامِ زندگی مغرب کی تقلید میں سیکولرازم پر چلا رہے ہیں اور کتاب کو اس زمانے میں قابلِ عمل قرار نہیں دیتے' بلکہ اپنی مرضی سے اس کے احکام کو بدل بھی دیتے ہیں۔ جیسے فرمایا:

﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾﴾ (الشوریٰ)

''اور انہوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا' آپس میں ضدم ضدا کے باعث۔ اور اگر ایک بات آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے ایک وقت معیّن کے لیے طے نہ پا چکی ہوتی تو ان کے مابین (اختلافات کا) فیصلہ چکا دیا جاتا۔ اور جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے ان کے بعد وہ اس کے متعلق ایک خلجان آمیز شک میں مبتلا ہیں۔''

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کیفیتوں سے نکل کر امت مسلمہ قرآن حکیم کے نزول کے مقصد کو اختیار کرے اور اس کی ہدایت کو اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں اختیار کرے‘ کیونکہ یہی کتاب ہے جو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی دینے والی ہے اور اس کے نزول کا مقصد بھی تمام انسانیت کے لیے ہدایت ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ (بنی اسراء یل: ۹)

’’بے شک یہ قرآن اس راہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔‘‘

اور اسی بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ)) (رواہ البخاری)

’’تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن مجید کا علم سیکھے اور اسے دوسروں کو سکھائے۔‘‘

رمضان المبارک کی فضیلت میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے:

((لَوْ يَعْلَمُ الْعِبَادُ مَا فِيْ رَمَضَانَ لَتَمَنَّتْ اُمَّتِيْ اَنْ تَكُوْنَ السَنَةُ كُلُّهَا رَمَضَانَ)) (مجمع الزوائد للهيثمي)

’’اگر لوگ رمضان کی فضیلت کو جانتے تو میری امت یہ خواہش کرتی کہ سارا سال رمضان ہی رہے۔‘‘

اور فرمایا نبی اکرم ﷺ نے:

((يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ، وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَافْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ))

(شعب الايمان للبيهقي)

’’اے قرآن والو! قرآن کو سہارا نہ بنالینا‘ بلکہ اسے پڑھو جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے دن اور رات کی گھڑیوں میں‘ اور اسے پھیلاؤ‘ اور اسے اچھی آواز سے پڑھو‘ اور اس میں غور و فکر کرو‘ تاکہ فلاح پاؤ۔‘‘

اور فرمایا:

((اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ)) قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا جِلَاءُ هَا؟ قَالَ :((كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ))

(رواہ البیہقی)

’’بے شک یہ دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہے پر پانی پڑے تو زنگ آلود ہو جاتا ہے‘‘۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ ﷺ! اس کا صیقل کیا ہے؟ فرمایا: ’’موت کی کثرت سے یاد اور تلاوتِ قرآن مجید۔‘‘

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

ألا لا خير فى قراءةٍ ليس فيه تدبر، ألا لا خير فى عبادةٍ لا فقه فيها

’’خبردار! اُس تلاوت میں کوئی خیر نہیں جس میں تدبر نہ ہو‘ خبردار! اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جس میں سمجھ بوجھ نہ ہو۔ (یعنی عبادت کرنے والے کو سمجھ ہی نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے)۔‘‘

سورۃ القمر میں یہ آیت چار مرتبہ دہرائی گئی:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۝﴾

’’ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو یاددہانی کے لیے‘ تو ہے کوئی یاددہانی حاصل کرنے والا!‘‘

اور فرمایا:

﴿اَلرَّحْمٰنُ ① عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ② خَلَقَ الْاِنْسَانَ ③ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④﴾

’’رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ اُسی نے انسان کو بنایا۔ اُس کو بیان سکھایا۔‘‘

رحمٰن کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر قرآن مجید اور سب سے افضل مخلوق انسان ہے‘ اور اسے جو کچھ دیا گیا ہے اس میں بہترین قوت بیان کی خوبی ہے۔ یہی خوبی جب کلام اللہ کو بیان کرنے میں لگے تو بہترین ہے۔

اللہ کرے ہم قرآن حکیم کی طرف پلٹیں اور اس کے حقوق ادا کریں‘ اسے پڑھیں‘ یاد کریں‘ سمجھیں‘ عمل کریں اور آگے پہنچائیں اور اس کے نتیجے میں اس دعا کے مصداق بن جائیں جو قرآن مجید کی تلاوت مکمل کرنے پر مانگتے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ آنِسْ وَحْشَتَنَا فِيْ قُبُوْرِنَا، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ، وَاجْعَلْهُ لَنَا اِمَامًا وَّنُوْرًا وَهُدًى وَّرَحْمَةً، اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنَا مِنْهُ مَا نَسِيْنَا

وَعَلِّمْنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا، وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَهٗ آنَاءَ اللَّيْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ، وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ)) آمین!

''اے اللہ! اس قرآن کو ہماری قبروں کی وحشت میں ہمارا ساتھی بنا دے۔ اے اللہ! اس قرآن کے ذریعہ ہم پر اپنی رحمت فرما اور اسے ہمارا امام بنا دے کہ اس کی پیروی کریں۔ اسے ہمارے لیے نور بنا دے کہ اس کی روشنی میں اپنی منزل کا تعین کریں۔ اسے ہدایت بنا دے کہ اس کی راہ اختیار کریں۔ اسے رحمت بنا دے کہ جس کے سہارے آخرت میں کامیابی حاصل ہو۔ اے اللہ! ہم اس میں سے جو کچھ بھولے ہوئے ہیں وہ ہمیں یاد کروا دے اور جس کا علم نہیں ہے اس کا علم ہمیں عطا فرما دے۔ اور اس کی پیروی کی توفیق دے تلاوت و عمل میں دن رات کے اوقات میں' اور اس پر عمل کے ذریعے اسے ہمارے حق میں سفارش کرنے والا بنا دے۔ اے سارے جہانوں کے مالک۔ آمین!'' ❁❁❁

قرآنی ڈکشنری شائع ہوگئی

اس میں صرف وہ سہ حرفی اور رباعی مادّے دیے گئے ہیں جن سے کوئی لفظ قرآن میں آیا ہے' اور الفاظ کے صرف وہ معانی دیے گئے ہیں جن میں وہ الفاظ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ معانی کی وضاحت کے لیے متعلقہ آیت یا اس کا جز وساتھ دیا گیا ہے۔

ڈکشنری کے شروع میں ''افعال غیر صحیح کے قواعد'' کے تحت تعلیلات کے قواعد عام فہم انداز میں بیان کیے گئے ہیں' پھر تعلیلات والے الفاظ کی قرآن کے مطابق اصلی شکل اور تبدیل شدہ استعمالی شکل' دونوں دی گئی ہیں۔

یہ ڈکشنری **مکتبہ خُدّام القرآن** پر دستیاب ہے اور اسے ''بسم ربی ڈاٹ کام'' پر بھی آسان اسباق میں اپ لوڈ کر دیا گیا ہے۔

البلاغ فاؤنڈیشن لاہور

فون: 0333-4620717 اور 0321-4090779

ای میل: ALBALAGH.43@gmail.com

ویب سائٹ: BISMERABBEE.com

رمضان کا آخری عشرہ کیسے گزاریں؟

جمیل الرحمٰن عباسی ☆

رمضان المبارک کو رسول اللہ ﷺ نے ''شَھْرٌ مُّبَارَکٌ'' قرار دیا ہے۔ شہر مبارک ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اس میں نیکیوں کا اجر بڑھا دیا جاتا ہے جیسا کہ کئی روایات سے ثابت ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ اور اسلافِ امت اس مہینے میں حتی الامکان' نیک اعمال اور تبتل الی اللہ کے لیے خوب محنت کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں سیر اعلام النبلاء کے مصنف امام ذہبیؒ نے امام سفیان ثوریؒ' امام مالکؒ' حضرت سعید بن جبیرؒ' امام شافعیؒ اور ان کے استاد وکیعؒ ابن الجراح اور امام بخاریؒ کے خصوصی اہتمام نقل فرمائے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا رمضان کیسا ہوا کرتا تھا' یہ اس وقت کا موضوع تو نہیں کہ اس دم آخری عشرے کی خصوصی عبادات زیر بحث آئیں گی' اگرچہ ضمناً رمضانِ نبوی کی ایک جھلک از خود دکھائی دے گی۔

رمضان میں نیکی کی کثرت کے باب میں آخری عشرے کو خصوصی فضیلت حاصل ہے' سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهٖ (۱)

''رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اتنی محنت و ریاضت فرماتے تھے کہ اس کے علاوہ اور دنوں میں اس قدر ریاضت نہیں کرتے تھے۔''

ایک دوسری روایت میں سیدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ اَحْيَا اللَّيْلَ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ وَجَدَّ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ (۲)

''جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کی راتوں کو زندہ رکھتے' اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے' خوب محنت کرتے اور اپنا ازار مضبوطی سے باندھ لیتے۔''

☆ معاون ناظم تعلیم وتربیت' تنظیم اسلامی پاکستان

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''راتوں کو زندہ رکھنے سے مراد پوری رات اللہ کی عبادت میں مشغول رہنا ہے اور نیند کیے بغیر پوری رات کے قیام کی جو کراہت ہمارے اصحاب (فقہاء) سے منقول ہے وہ اس طرز کو عادت بنانے کی صورت میں ہے۔ ایک' دو یا دس راتوں کا مکمل قیام اس ذیل میں نہیں آتا۔ اسی لیے ہمارے فقہاء نے عید کی راتوں کے مکمل قیام وعبادات کو مستحب قرار دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ آخری عشرے میں اپنی عادتِ مبارکہ سے زیادہ عبادات کرتے تھے اور اہل خانہ کو بھی عبادت کے لیے جگاتے تھے۔ پس آپ کے اس طرزِ عمل سے آخری عشرے میں عام عادت سے زیادہ عبادت کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ازار مضبوطی سے باندھنے کے بارے میں علماء کی دو آراء ہیں۔ پہلی یہ کہ اس سے مراد عبادت کے لیے کمر ہمت کس لینا ہے اور دوسری یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے بیویوں سے الگ رہنے کا یعنی آپ ﷺ آخری عشرے میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے الگ رہا کرتے تھے۔'' (شرح مسلم)

نبی اکرم ﷺ آخری عشرے کی عبادت کا جتنا اہتمام فرماتے تھے اس کا اندازہ درج ذیل روایت سے بخوبی ہوتا ہے کہ زینب بنت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا بَقِيَ مِنَ الشَّهْرِ عَشْرَةُ اَيَّامٍ لَمْ يَذَرْ اَحَدًا مِنْ اَهْلِهٖ يُطِيْقُ الْقِيَامَ اِلَّا اَقَامَهٗ (۳)

''جب رمضان کے دس دن رہ جاتے تب نبی اکرم ﷺ اپنے اہل خانہ میں سے قابلِ عبادت کسی شخص کو بھی سوتا نہ چھوڑتے بلکہ عبادت کے لیے اٹھا دیتے تھے۔''

اعتکاف:

آخری عشرے کی خصوصی عبادات اور ان راتوں کی فضیلت سمیٹنے کا ایک آسان طریقہ اعتکاف ہے۔ نبی اکرم ﷺ اس کی مشروعیت کے بعد ہر سال اعتکاف کرتے رہے' یہاں تک کہ رفیق اعلیٰ سے جا ملے:

عَنْ عَائِشَةَ – رَضِىَ اللّٰه عنها – قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ (٤)

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر رمضان میں اعتکاف

فرمایا کرتے تھے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے' وہ بیان کرتی ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ(۵)

''نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اٹھا لیا۔''

مندرجہ بالا دونوں روایات سیدہ عائشہ ؓ سے مروی ہیں' لیکن امام ترمذیؒ اپنی سنن میں یہ روایت سیدہ عائشہ اور ابو ہریرہ ؓ دونوں سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس بارے میں اُبی بن کعب' ابولیلیٰ' ابوسعید الخدری' انس بن مالک اور عبداللہ بن عمر ؓ سے بھی روایات مذکور ہیں۔

بسا اوقات جہاد یا کسی دوسرے شرعی سفر کی وجہ سے اگر آپ ﷺ کسی سال اعتکاف نہ کر سکے تو آپ ﷺ نے دوسرے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ اُبی بن کعب ؓ بیان کرتے ہیں کہ

کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ' فَسَافَرَ عَامًا' فَلَمَّا کَانَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ اعْتَکَفَ عِشْرِینَ یَوْمًا (۶)

''نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے' ایک سال سفر کی وجہ سے آپ ﷺ اعتکاف نہ فرما سکے تو اگلے سال آپ ﷺ نے پورے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔''

اسی طرح ایک دفعہ کسی وجہ سے آپ ﷺ کو اعتکاف ختم کرنا پڑ گیا تو آپ ﷺ نے شوال کے دس اور بعض روایات کے مطابق آخری دس دنوں کا اعتکاف فرمایا:

فَلَمْ یَعْتَکِفْ فِیْ رَمَضَانَ حَتّٰی اعْتَکَفَ فِی آخِرِ الْعَشْرِ مِنْ شَوَّالٍ(۷)

''پس آپ ﷺ نے رمضان میں اعتکاف (مکمل) نہیں کیا تو پھر شوال کے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا۔''

حیاتِ دنیوی کے آخری سال آپ ﷺ نے بیس روزہ اعتکاف فرمایا' جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں:

یَعْتَکِفُ فِیْ کُلِّ رَمَضَانٍ عَشَرَۃَ اَیَّامٍ' فَلَمَّا کَانَ الْعَامُ الَّذِی قُبِضَ فِیْہِ اعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ یَوْمًا(۸)

''نبی اکرم ﷺ ہر رمضان میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے' لیکن جس سال آپ کو دنیا سے اٹھایا گیا اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔''

نبی اکرم ﷺ کے دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت نے آپؐ کے ساتھ اعتکاف کیا ہے' جیسا کہ صحیح بخاری کی تفصیلی روایت آگے نقل کی جائے گی' لیکن مسند الطیالسی میں مختصراً' ابوسعید خدری ؓ سے منقول ہے:

اِعْتَکَفْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِی الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ(۹)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف کیا۔''

اعتکاف کی فضیلت وحکمت:

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اعْتَکَفَ یَوْمًا اِبْتِغَاءَ وَجْہِ اللّٰہِ' جَعَلَ اللّٰہُ بَیْنَہُ وَبَیْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقَ' کُلُّ خَنْدَقٍ اَبْعَدُ مِمَّا بَیْنَ الْخَافِقَیْنِ))(۱۰)

''جس نے ایک بھی دن اللہ کی رضا کی خاطر اعتکاف کیا' اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان تین خندقوں کا فاصلہ حائل فرما دے گا اور ہر خندق اتنی وسعت کی حامل ہوگی جتنی وسعت ایک اُفق سے دوسرے تک ہوتی ہے۔''

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معتکف کے بارے میں فرمایا:

((ھُوَ یَعْکِفُ الذُّنُوْبَ' وَیُجْرٰی لَہُ مِنَ الْحَسَنَاتِ کَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ کُلِّھَا))(۱۱)

''(اعتکاف میں رہنے کی وجہ سے) معتکف گناہوں سے بچا رہتا ہے اور (خارجی) نیکیوں میں سے اسے نیکیاں کرنے والے کے برابر اجر دیا جاتا ہے۔''

گناہوں سے بچنے کا ایک سادہ مفہوم تو یہ ہے کہ انسان مسجد کے ماحول میں رہنے کی وجہ سے فی الفور گناہوں سے بچا رہتا ہے' لیکن ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اعتکاف میں بندے کو وہ روحانی قوت حاصل ہوتی ہے جو اعتکاف کے دنوں کے بعد بھی اسے گناہوں سے بچاتی ہے۔

امام ابن قیم ؒ نے ''زاد المعاد'' میں اعتکاف کی حکمت بیان کرتے ہوئے رقم فرمایا ہے:

''اصلاحِ قلب اور سیر الی اللہ کی راہ پر استقامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تثبیتِ قلبی عطا کیے جانے پر موقوف ہے۔ اگر دل کی دنیا پراگندہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے لَو لگانا ناممکن ہے۔

دوسری طرف کھانے پینے' لوگوں سے میل ملاپ' نیند اور کلام کی کثرت انسان کے قلب کو پراگندہ کیے دیتی ہے جس کے سبب انسان تقرب الی اللہ کی منزل سے بھٹک کر طرح طرح کی گھاٹیوں اور وادیوں میں سرگرداں رہتا ہے۔ ورنہ کم از کم درجے میں راہ سلوک سے پسپائی' سست روی و کم ہمتی تو انسان کو آ ہی لیتی ہے۔ پس خداوند عزیز و رحیم کی رحمت و حکمت کا تقاضا ہوا کہ بندوں پر روزہ کی عبادت مشروع فرمائی جائے جس سے کثرتِ طعام' کثرتِ کلام اور کثرتِ اختلاط و تنام جاتا رہے اور دل شہوات کے غلبے سے آزاد ہو کر سلوک الی اللہ کے راستے پر گامزن ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کو مشروع ٹھہرایا جس کا مقصد' اللہ تعالیٰ سے لَو لگانا' اس کے احکام پر ثابت قدمی' سب سے کٹ کر اسی ذاتِ اقدس کا ہو جانا اور اسی کے ساتھ خلوت گزینی اختیار کرنا اور اسی کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہونا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کی بڑائی' اس کی یاد اور اس کی محبت انسان کے دل میں گھر کر لے۔ اس کے تمام دکھ درد اللہ کے ذکر سے تسکین پانے لگے' اللہ سے بڑھ کر اس کا کوئی مونس و غمگسار نہ ہو اور عبادات و مناجات سے بڑھ کر کسی کام میں راحت جاں محسوس نہ ہو یہی تمام امور اعتکاف کا حاصل و مقصود ہیں۔''

لیلۃ القدر کا حصول:

اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کو جن خاص عنایتوں سے نوازا ہے ان میں ایک لیلۃ القدر کی عبادات کی مشروعیت بھی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ موطا میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بعض قابل اعتماد اہل علم سے بیان کرتے ہیں:

أُرِيَ أَعْمَارَ النَّاسِ قَبْلَهُ' أَوْ مَا شَاءَ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ' فَكَأَنَّهُ تَقَاصَرَ أَعْمَارَ أُمَّتِهِ أَنْ لَا يَبْلُغُوْا مِنَ الْعَمَلِ' مِثْلَ الَّذِي بَلَغَ غَيْرُهُمْ فِي طُوْلِ الْعُمُرِ' فَأَعْطَاهُ اللّٰهُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ' خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ (۱۲)

''رسول اللہ ﷺ کو سابقہ لوگوں کی عمریں دکھائی گئیں تو نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کی مختصر عمروں کا دھیان کیا تو خیال آیا کہ آپ کی امت اپنی عمر کی قلت اور دوسروں کے طول کے سبب نیکیوں میں پیچھے رہ جائے گی۔ اس پر آپ ﷺ کو لیلۃ القدر عطا کی گئی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے ایک بار تلاشِ لیلۃ القدر میں پورے مہینے کا اعتکاف فرمایا اور طائفہ صحابہ رضی اللہ عنہم

نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ اعتکاف کیا۔ سیدنا ابوسعید الخدری بیان کرتے ہیں:

اعْتَكَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَشْرَ الْاَوَّلِ مِنْ رَمَضَانَ ' وَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ ' فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ : اِنَّ الَّذِيْ تَطْلُبُ أَمَامَكَ فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ' فَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ' (فَلَمَّا كَانَ صَبِيْحَةَ عِشْرِينَ نَقَلْنَا مَتَاعَنَا) فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ : اِنَّ الَّذِي تَطْلُبُ أَمَامَكَ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ خَطِيبًا صَبِيحَةَ عِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ :((مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ النَّبِي ﷺ فَلْيَرْجِعْ فَإِنِّيْ أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ' وَ إِنِّي نُسِيْتُهَا)) (و قال فَرَجَعَ النَّاسُ إِلَى الْمَسْجِدِ)(۱۳)

''رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف فرمایا تو ہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا۔ پھر جبریلؑ آئے اور آپ ﷺ کو خبر دی کہ جس رات کو آپ ڈھونڈ رہے ہیں وہ تو آگے ہے۔ پھر آپ ﷺ نے درمیانی عشرے میں بھی اعتکاف کو جاری رکھا تو ہم بھی آپ کے ساتھ اعتکاف میں رہے۔ (پس جب بیسویں روزے کی صبح ہو گئی تو ہم نے اپنے سامان مسجد سے منتقل کرنے شروع کر دیے) کہ جبریل آپ ﷺ کے پاس آئے اور خبر دی کہ آپ جس رات کے متلاشی ہیں وہ آگے ہے۔ پس آپ ﷺ نے بیسویں روزے کی صبح خطاب کیا اور فرمایا: ''جس نے اللہ کے نبی (ﷺ) کے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ واپس آ جائے مجھے یہ رات دکھائی گئی تھی لیکن پھر اللہ کی طرف سے بھلا دی گئی''۔ پس لوگ (آخری عشرے کے اعتکاف کے لیے) مسجد لوٹ آئے۔''

نبی اکرم ﷺ آخری عشرے میں لیلۃ القدر کی تلاش کا حکم دیا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ يُجَاوِرُ فِي العَشْرِ الاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَيَقُوْلُ:

((تَحَرَّوْا لَيْلَةَ القَدْرِ فِي العَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ))(۱۴)

''رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: ''لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری دس دنوں میں تلاش کیا کرو۔''

بعض روایات میں آخری عشرے کی طاق راتوں کا ذکر بھی فرمایا:

((تَحَرَّوْا لَيْلَةَ القَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ))(۱۵)

''لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔''

بعض روایات میں آخری عشرے کی مختلف راتوں کا نام لے کر ان میں لیلۃ القدر کی

تلاش کا حکم دیا گیا لیکن وہ بر سبیل تنزل یا کمزور حضرات کے لحاظ پر مبنی ہے اور منشاء نبوی بہر حال یہی ہے کہ مخصوص راتوں کے بجائے پورے عشرے کی عبادت بجالائی جائے۔ یہ بات درج ذیل حدیث پاک سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ يَعْنِي لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَإِنْ ضَعُفَ أَحَدُكُمْ اَوْ عَجَزَ فَلَا يُغْلَبَنَّ عَلَى السَّبْعِ الْبَوَاقِي))(۱۶)

''لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو اور اگر تم میں سے کوئی اس سے بھی کمزور ہو یا عاجز ہو تو آخری سات راتوں میں تو سستی نہ کرے۔''

مختلف روایات اور اندازوں کے باوجود یہ بات طے ہے کہ متعین طور پر یہ معلوم نہیں ہے کہ کون سی رات لیلۃ القدر ہے۔ اس اخفاء میں خاص حکمت ہے۔ حضرت مبارکپوریؒ فرماتے ہیں:

والحكمة في اخفائها على ما قال العلماء ليحصل الاجتهاد في التماسك بخلاف ما لو عينت لها ليلة لاقتصر عليها (۱۷)

''علماء کے قول کے مطابق لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگ عبادت میں خوب محنت کر سکیں اور اگر اس کا تعین کر دیا جاتا تو لوگ صرف اسی کی عبادت پر اکتفا کرتے۔''

امام ابن جوزیؒ زاد المسیر میں فرماتے ہیں:

فأما الحكمة في إخفاء ها فيتحقق اجتهاد العباد في ليالى رمضان طَمَعاً منهم في إدراكها

''لیلۃ القدر کو پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہ ہے تاکہ اسے پانے کی جستجو میں اللہ کے بندے رمضان کی کئی ایک راتوں میں محنت بندگی کریں۔''

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھے جانے پر فرماتے تھے کہ ((مَنْ يَقُمِ الْحَوْلَ يُصِبْهَا)) کہ جو پورا سال قیام کرے گا وہ اسے پائے گا۔ آپؓ کے اس فرمان کے بارے میں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

يَرْحَمُ اللّٰهُ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمَ أَنَّهَا فِي رَمَضَانَ، وَلٰكِنْ اَحَبَّ اَنْ لَا يَتَّكِلُوا(۱۸)

''اللہ ابو عبدالرحمٰن ابن مسعود پر رحم کرے، خدا کی قسم وہ جانتے تھے کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے لیکن وہ یہ جواب اس لیے دیا کرتے تھے کہ لوگ عبادت میں کوتاہی نہ کریں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر کے تعین میں پڑے بغیر پورے عشرے کی عبادت کرنا چاہیے اور آج کل جو تعین سے کہہ دیا جاتا ہے کہ رمضان کی ستائیسویں شب لیلۃ القدر ہے، حکمت دین کے خلاف ہے۔ یہ ضرور ہے کہ بعض روایات میں ستائیسویں شب کو لیلۃ القدر قرار دیا گیا ہے لیکن اسی درجے کی صحیح روایات میں اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں وغیرہ کا ذکر بھی ملتا ہے اور انہی روایات کی بنا پر علماء کی متفقہ رائے ہے کہ لیلۃ القدر کا تعین کے ساتھ معلوم نہیں ہے۔

شریعت کا مزاج یہ ہے کہ بندوں کو عبادت میں راسخ کیا جائے کہ ان کی وجہ تخلیق ہی یہی ہے۔ چنانچہ قرآن وحدیث میں عام دنوں کے قیام اور نفل نماز ادا کرنے کی ترغیب بے شمار نصوص میں دی گئی ہے:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ (السجدۃ: ۱۶)

''ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔''

﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ⑰﴾ (الذّٰریٰت)

''وہ راتوں کو بہت تھوڑا سویا کرتے تھے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ⑭﴾ (الفرقان)

''وہ جو راتیں اپنے رب کے حضور رکوع وسجود میں گزارتے ہیں۔''

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے بے شمار مقامات پر قیام باللیل کی ترغیب دی، مثلاً فرمایا:

((صَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ))(۱۹)

''راتوں کو نماز پڑھا کرو جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔''

اس عمومی ترغیب پر اضافہ کرتے ہوئے رمضان کے مہینے میں خصوصی طور پر قیام کی تاکید و ترغیب دلائی گئی:

((مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))(۲۰)

''جو شخص رمضان کا قیام کرے گا ایمان اور احتساب (اخلاص نیت) کے ساتھ تو اس کے سابقہ گناہ تک معاف کر دیے جائیں گے۔''

اس پر مزید اضافہ آخری عشرے کی عبادت کے ذکر سے کیا گیا اور جو کوئی اس سے بھی ہمت ہار گیا ہو تو اسے یہ ترغیب دی گئی کہ چلو طاق راتوں ہی میں عبادت کر لیا کرو جیسا کہ روایت بیان ہو چکی۔ پس اس تفصیل کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مطلوب تو یہ ہے کہ انسان عام زندگی میں بھی قیام اللیل کو اپنا شعار بنائے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا:

((عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دأب الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ))(۲۱)

''قیام اللیل کو لازم پکڑو کیونکہ یہی تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ بھی ہے۔''

پس اس طریق صالحین پر چلنے کی ابتدا اور مشق کے طور پر رمضان کی عبادت کو اختیار کرنا چاہیے۔

لیلۃ القدر کی عبادت:

لیلۃ القدر کو اللہ تعالیٰ نے ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا ہے: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ ③﴾ (القدر) ''لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے''۔ حضرت مجاہدؒ اور قتادہؒ وغیرہم اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **قيامها و العمل فيها خير من قيام ألف شهر** ''اس رات میں عمل یا قیام کرنا ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے'' (زاد المسیر) گویا ایک رات کی عبادت کا ثواب ایک ہزار رات کی عبادت کے ثواب سے بڑھ کر ہے۔

اس رات کی فضیلت یہ بھی ہے کہ اس میں فرشتوں کا بکثرت نزول ہوتا ہے:

﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ④﴾ (القدر)

''اس رات میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔''

اسی بات کو نبی اکرم ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

((انَّ الْمَلَائِكَةَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فِي الْأَرْضِ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ الْحَصَى))(۲۲)

''اس رات میں فرشتے اتنی تعداد میں زمین پر اترتے ہیں کہ ان کی گنتی ممکن نہیں ہوتی۔''

نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے:

((إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيهِ السَّلَامُ فِي كَبْكَبَةٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يُصَلُّونَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ أَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ))(۲۳)

''جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو جبریل علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں اترتے ہیں اور پھر ہر آدمی کے لیے جو (نماز) میں کھڑے یا (تلاوت و اذکار میں) بیٹھا اللہ کو یاد کر رہا ہو،

اس کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔''

اس رات کی عبادت کی فضیلت کی ایک وجہ یہی فرشتوں کا نزول بھی ہے، اس لیے کہ فرشتے اہلِ ایمان کے ولی اور دوست ہیں اور ان کے لیے دعا گو رہتے اور استغفار کرتے رہتے ہیں اور ان کی دعائیں انسان کی روحانی ترفّع کا اہم ذریعہ ہیں، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

يكون فيها نوع من انتشار الروحانية ومجيء الملائكة إلى الأرض، فيتفق المسلمون فيها على الطاعات، فتتعاكس أنوارهم فيما بينهم، ويتقرب منهم الملائكة، ويتباعد منهم الشياطين ويستجاب منهم أدعيتهم وطاعاتهم(۲۴)

''لیلۃ القدر میں ایک قسم کی روحانیت پھیلی ہوتی ہے کیونکہ فرشتے (خصوصی طور پر) زمین پر نزول کرتے ہیں، پس مسلمان لیلۃ القدر میں عبادت کرنے پر متفق ہیں۔ پس عبادات میں مشغول لوگوں کے انوار، ایک دوسرے پر منعکس ہوتے ہیں۔ فرشتے ان کے نزدیک ہوتے ہیں (جس کے وجہ سے) شیاطین انسانوں سے دور بھاگتے ہیں اور (ان برکات کے سبب) انسانوں کی عبادات اور دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا جاتا ہے۔''

اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے لیلۃ القدر کی عبادت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))(۲۵)

لیلۃ القدر کی عبادت سے محروم رہنے والے کی رسول اللہ ﷺ نے مذمت بھی فرمائی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی آمد پر ارشاد فرمایا:

((إِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ، وَفِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ، وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا مَحْرُومٌ))(۲۶)

''بے شک وہ خاص مہینہ آ چکا ہے اور اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ جو اس رات کی عبادت سے محروم رہا وہ کل خیر سے محروم رہا اور اس رات کے خیر کو ضائع نہیں کرتا مگر وہی جو محروم ہو۔''

ملّا علی القاریؒ اس کی شرح یوں فرماتے ہیں:

لَا حَظَّ لَهُ مِنَ السَّعَادَةِ وَلَا ذَوْقَ لَهُ مِنَ الْعِبَادَةِ(۲۷)

''محروم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سعادت اور ذوقِ عبادت سے اس کا کوئی حصہ نہیں۔''

پس معتکفین کو چاہیے کہ وہ لیلۃ القدر پانے میں خوب محنت کریں اور جو اشخاص اعتکاف نہ کر سکیں انھیں بھی چاہیے کہ وہ لیلۃ القدر پانے کی کوشش کریں۔

اعتکاف سے واپسی:

اگرچہ عید کا چاند نظر آنے پر مسنون اعتکاف پورا ہو جاتا ہے اور معتکف اپنے گھر جا سکتا ہے لیکن چاند رات بھی اعتکاف گاہ میں بسر کرنا مستحب ہے اور سلف صالحین سے ایسا کرنا منقول ہے:

عَنْ مَالِكٍ اَنَّهٗ رَأَى بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا اعْتَكَفُوا الْعَشْرَ الاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ لَا يَرْجِعُوْنَ إِلَى اَهَالِيْهِمْ حَتّٰى يَشْهَدُوا الْفِطْرَ مَعَ النَّاسِ (۲۸)

''امام مالکؒ فرماتے ہیں میں نے بعض اہلِ علم کو دیکھا کہ جب وہ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے ہیں تو عید کی رات گھر والوں کے پاس نہیں لوٹتے یہاں تک کہ لوگوں کے ساتھ عید کی نماز ہی کے لیے نکلتے ہیں۔''

ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں:

كَانُوْا يَسْتَحِبُّوْنَ لِلْمُعْتَكِفِ أَنْ يَبِيتَ لَيْلَةَ الْفِطْرِ فِي مَسْجِدِهٖ (۲۹)

''تابعین معتکف کے لیے مستحب قرار دیتے تھے کہ وہ عید الفطر کی (یعنی چاند) رات اعتکاف والی مسجد میں ہی بسر کرے۔''

ابو مِجْلَز تابعیؒ فرماتے ہیں کہ:

بِتْ لَيْلَةَ الْفِطْرِ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي اعْتَكَفْتَ فِيْهِ (۳۰)

''جس مسجد میں اعتکاف کیا کرو (چاند) رات بھی اسی میں بسر کیا کرو۔''

انھی آثار کی بنا پر امام احمد بن حنبلؒ نے معتکف کے لیے چاند رات مسجد میں بسر کرنا مستحب قرار دیا ہے۔

لیلۃ العید کی عبادت:

چاند رات کو اعتکاف کی جگہ پر بسر کرنے سے اصل مطلوب لیلۃ العید کی عبادت کا حصول ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے

((مَنْ قَامَ لَيْلَتَي الْعِيدَيْنِ لِلّٰهِ مُحْتَسِبًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهٗ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ)) (۳۱)

''جو شخص عیدین کی راتوں میں اللہ سے بدلہ پانے کی امید پر قیام کرے گا اس کا دل

نہیں مرے گا جس دن تمام دل مر جائیں گے۔''

امام شافعیؒ نے ''کتاب الام'' میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کی ہے:

((مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْعِيدِ مُحْتَسِبًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهٗ حِيْنَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ)) (۳۲)

امام صاحب اس پر یہ تبصرہ فرماتے ہیں:

وأنا أَسْتَحِبُّ كُلَّ ما حُكِيَتْ فِيْ هٰذِهِ اللَّيَالِي من غَيْرِ أَنْ يَكُونَ فَرْضًا

''ان راتوں کی فضیلت کے بارے میں جو بیان ہوا ہے میں اسے فرض (یا لازم) نہ ہونے کی شرط کے ساتھ مستحب سمجھتا ہوں۔''

خلاصۂ کلام:

سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے آخری عشرے کی راتوں میں خصوصی طور پر عبادت میں اشتغال کی تعلیم ملتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف اس کا اہتمام فرماتے تھے بلکہ اہل خانہ کو بھی جگاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ اسلام کو بھی اسی کی تعلیم دی ہے۔ اس عشرے کی خصوصی عبادت اعتکاف ہے جو تزکیۂ نفس کا اہم ذریعہ ہے۔ دعا و مناجات اور ذکر و فکر کے ساتھ اعتکاف کا مقصود لیلۃ القدر کی عبادت کا حصول بھی ہے۔ پس بالخصوص معتکف اور بالعموم تمام ہی مسلمانوں کو آخری عشرے کی راتوں کو زندہ رکھنا چاہیے تاکہ لیلۃ القدر کی عبادت حاصل ہو سکے۔ نیز اعتکاف کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ چاند رات بھی مسجد اعتکاف میں بسر کرے اور لیلۃ العید کو زندہ رکھنے کی سعی کرے۔

حواشی

(۱) صحيح مسلم، باب الاعتكاف، باب الاجتهاد فى العشر الاواخر من شهر رمضان۔

(۲) ايضاً

(۳) مختصر قيام الليل و قيام رمضان محمد بن نصر المَرْوَزِي) (٢٩٤:٥)۔

(٤) صحيح البخاري

(٥) صحيح البخاري، كتاب الاعتكاف، باب الاعتكاف فى العشر الاواخر.....

(٦) سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب ما جاء فى الاعتكاف۔

(٧) صحيح البخاري، كتاب الاعتكاف، باب الاعتكاف فى شوال۔

(۸) صحیح بخاری‘کتاب الاعتکاف‘ باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان۔

(۹) مسند الطیالسی۔

(۱۰) رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔

(۱۱) سنن ابن ماجہ‘ کتاب الصیام‘ باب فی ثواب الاعتکاف۔

(۱۲) موطا امام مالك‘ کتاب الاعتکاف‘ باب انہ سمع من یثق بہ من اھل العلم.....

(۱۳) صحیح البخاري‘کتاب الاذان‘ باب السجود علی الانف.....

(۱٤) صحیح البخاری‘ کتاب صلاۃ التراویح‘ باب تحری لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر۔

(۱۵) ایضاً۔

(۱٦) صحیح مسلم‘ کتاب الصیام‘ باب فضل لیلۃ القدر والحث علی طلبھا.....

(۱۷) مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح۔

(۱۸) مسند احمد‘کتاب مسند الانصار‘ باب حدیث زر بن حبیش عن اُبی بن کعب۔

(۱۹) سنن الترمذی ‘ ابواب البر والصلۃ‘ باب ما جاء فی قول المعروف۔

(۲۰) صحیح البخاری‘ کتاب الایمان‘ باب تطوع قیام رمضان من الایمان۔

(۲۱) مستدرك حاکم۔

(۲۲) مسند احمد ۔

(۲۳) شعب الایمان۔

(۲٤) حُجّۃ اللّٰہ البالغۃ‘ أمور تتعلق بالصوم۔

(۲۵) صحیح البخاری‘ کتاب الصوم‘ باب من صام رمضان ایماناً واحتساباً۔

(۲٦) سنن ابن ماجہ‘ کتاب الصیام‘ باب ما جاء فی فضل شھر رمضان۔

(۲۷) مرقاۃ۔

(۲۸) موطأ مالك‘ کتاب الاعتکاف‘ باب انہ رأی بعض اھل العلم اذا اعتکفوا العشر الاواخر۔

(۲۹) مُصنف ابن أبی شیبہ۔

(۳۰) مُصنف ابن أبی شیبہ۔

(۳۱) سنن ابن ماجہ‘کتاب الصیام‘ باب فیمن قام فی لیلتی العیدین۔

(۳۲) الأم لشافعي‘ کِتَابُ صَلَاۃِ الْعِیدَیْنِ‘ باب الْعِبَادَۃُ لَیْلَۃُ الْعِیدَیْنِ۔

❁❁❁

میثاق‘حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن

تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

’’اہلِ ایمان کے خلود فی النّار؟‘‘

پروفیسر عبداللہ شاہین صاحب کا وضاحتی مکتوب

محترم مدیر میثاق!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میثاق ماہ اپریل ۲۰۱۷ء میں شائع شدہ میرے مضمون بعنوان ’’قاریٔ قرآن کے امکانی سوالات اور ان کے جوابات‘‘ پر برادر محترم پروفیسر محمد یونس جنجوعہ صاحب معترض ہوئے ہیں —— افسوس کہ انہوں نے مضمون کے مندرجات کا بغور مطالعہ نہیں کیا۔ وگرنہ ’’جہنمیوں کے لیے خلود فی النار کا ذکر کرتے ہوئے میں نے ’’کافروں‘‘—— اور —— ’’مشرکوں‘‘ کا نام لیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۲ سطر نمبر ۱۷‘ جس کی عبارت یوں ہے:

> ’’.....پس ان ’’کافروں‘‘ اور ’’مشرکوں‘‘ کو چھوڑوں بھی کیوں؟ ان کا جرم اتنا بڑا ہے کہ اللہ کے پیدا کردہ ہونے کے باوجود اللہ کی زمین پر رہ کر‘ اس کا دیا ہوا رزق کھا کر‘ اسی کے خلاف بغاوت کرتے رہے اور اس کی ذات یا صفات میں اوروں کو شریک بناتے رہے!‘‘

بحمد اللہ! میرا موقف بھی یہی ہے کہ تمام موحد بدعمل اہلِ ایمان گناہوں کی سزا بھگت کر اللہ کی رحمت سے جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل کر دیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن و حدیث کے مطابق عقیدہ و عمل اور خلوصِ نیت عطا فرمائے‘ آمین!

(ریٹائرڈ) پروفیسر عبداللہ شاہین عفی اللہ عنہ

اطلاع برائے قارئین

قارئین نوٹ فرمالیں کہ ماہنامہ میثاق کا زیرِ نظر شمارہ جون جولائی کی مشترکہ اشاعت پر مشتمل ہے۔ اس اعتبار سے اس کی ضخامت میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اچھے اَعمال اور غرّہ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

لازم ہے کہ آدمی اچھے اعمال بجالائے اور برے کاموں سے بچتا رہے۔ پھر اپنے اچھے کاموں کی وجہ سے اس میں عجب پیدا نہ ہو اور نہ وہ بداَعمال لوگوں سے نفرت کرے۔ بداَعمال لوگوں کی برائیوں کو پسند نہ کرے مگر ان کے انجام کو یقینی طور پر برا نہ سمجھے۔ ہوسکتا ہے وہ مرنے سے پہلے اپنی اصلاح کرلیں اور نجات حاصل کرلیں۔ بندہ اپنے نیک اعمال پر مغرور نہ ہو کیونکہ اسے اپنے انجام کی خبر نہیں۔ یہی وجہ ہے متقی اور پرہیزگار لوگ اَعمالِ خیر کے باوجود اس بات کی تمنا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کی موت اچھے اعمال کرتے ہوئے آئے‘ کیونکہ کسی شخص کو خبر نہیں کہ اس کا انجام کیسا ہوگا۔ جنت اس کے لیے تیار ہے یا وہ عذاب کا نشانہ بنے گا۔ یہی مطلب ہے اس حکیمانہ قول کا کہ راہ راست امید اور بیم کے درمیان ہے۔ کوئی شخص محض اپنے نیک اعمال پر جنت کا مستحق نہیں ہوسکتا اور نہ کسی بداعمال کو جہنمی کہا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قسم ہے اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں‘ تم میں کا ایک شخص جنتی لوگوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے‘ لیکن آخر نوشتۂ تقدیر غالب آجاتا ہے اور وہ دوزخی شخص کے سے عمل کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوجاتا ہے۔ اور اسی طرح تم میں ایک شخص ساری عمر دوزخی شخص کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے‘ آخر نوشتۂ تقدیر غالب آتا ہے اور وہ جنتی شخص کے سے عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔‘‘ (متفق علیہ‘ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

کسی شخص کو نہ اپنے مستقبل کے حالات کا علم ہے اور نہ وہ کسی دوسرے شخص کے آئندہ کے حالات کو جانتا ہے۔ وہ صرف یہ جانتا ہے کہ وہ خود کس طرح کے عمل کر رہا ہے یا اسے کسی دوسرے

کے اعمال کیسے نظر آرہے ہیں۔ لیکن حال کے اعمال پر نتیجے کا فیصلہ کرنا کسی کے بس میں نہیں‘ نہ اپنے بارے میں نہ کسی دوسرے کے بارے میں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’دین کی راہ پر سیدھے رہو اور اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو اور جان لو کہ کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے نجات حاصل نہیں کرسکتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپؐ بھی نہیں؟ فرمایا: ’’میں بھی نہیں‘ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت اور فضل کے ساتھ ڈھانپ لے۔‘‘ (صحیح مسلم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

اس سے واضح ہوا کہ بخشش اور نجات بس اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگرچہ اس بات سے انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے‘ وہ نہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کرے گا‘ نیک اعمال کرنے والے کو نجات کی امید رکھنی چاہیے‘ مگر اللہ تعالیٰ سے دست بدعا رہنا چاہیے کہ وہ مرتے دم تک اسے ایسے کام کرنے کی توفیق دے جو اُس کو پسند ہوں۔ جنت یا جہنم میں داخل کرنے کا اختیار تو بس اللہ ہی کو ہے۔ یہی مطلب ہے ان الفاظِ قرآنی کا: ﴿فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (البقرۃ:۲۸۴) ’’پس وہ بخش دے گا جس کو چاہے گا اور عذاب دے گا جس کو چاہے گا‘‘۔ نتیجہ وہی ہے کہ کوئی شخص اپنے نیک اعمال کی بدولت جنت کو لازم نہ سمجھے اور کسی بداعمال کے لیے دوزخ کا حکم نہ لگائے۔

اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے۔ جس طرح ذات میں اس کا کوئی ثانی نہیں‘ اسی طرح اُس کی صفات بھی بے مثل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے ماننے میں راہِ راست سے بھٹکنے کا نام شرک ہے۔ پس شرک سے بچنا بخشش کے لیے اوّلین شرط ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ (النساء:۴۸) ’’بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ بخش دے گا اس کے علاوہ (دوسرے گناہ) جس کے لیے چاہے گا۔‘‘ پس شرک کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ وہ نہیں بخشے گا۔ اور اس کے علاوہ کوئی بڑے سے بڑا گناہ بھی ایسا نہیں جو نہ بخشا جاسکتا ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’میرے پاس جبریل آئے تھے‘ کہتے تھے جو شخص آپؐ کی اُمت میں سے ایسی حالت میں مرے گا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا‘‘۔ یہ سن کر ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہاں اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔‘‘ (متفق علیہ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے اور کچھ دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا بخشش کا فیصلہ کرے

گا خواہ اُس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مال عطا فرمایا تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: دنیا میں تو نے کیا عمل کیے؟ آپؐ نے فرمایا: چونکہ بندے اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکتے' لہٰذا اُس نے (صاف صاف) عرض کیا: اے میرے رب! تو نے اپنے پاس سے جو مال مجھے دیا تھا میں اس کا لوگوں سے لین دین کرتا تھا۔ درگزر کرنا میری عادت تھی' جو مال دار ہوتا اس سے نرمی کرتا اور جو تنگدست ہوتا' اس کو معاف بھی کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں ایسا کرنے کا تجھ سے زیادہ مستحق ہوں۔ (اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا) میرے اس بندے سے درگزر کرو''۔ (صحیح مسلم' عن حذیفہ رضی اللہ عنہ)

بخشش کے بارے میں یہی اصول ہے کہ جن کو نام لے کر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یا رسول اللہ ﷺ کے ذریعے جنتی یا دوزخی فرمایا ہے بس ان کو ہی جنتی یا دوزخی کہا جا سکتا ہے' کسی اور کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے خائف رہنا بندے کی بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔ صحیح راستہ بیم و رجا کے درمیان ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَسْرَفَ رَجُلٌ عَلٰى نَفْسِهٖ، فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ اَوْصٰى بَنِیْهِ اِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْا نِصْفَهٗ فِی الْبَرِّ وَنِصْفَهٗ فِی الْبَحْرِ، فَوَ اللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ لَیُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا لَا یُعَذِّبُهٗ اَحَدًا مِنَ الْعٰلَمِیْنَ، فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا مَا اَمَرَهُمْ، فَاَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِیْهِ وَاَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِیْهِ ثُمَّ قَالَ لَهٗ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ: مِنْ خَشْیَتِكَ یَارَبِّ وَاَنْتَ اَعْلَمُ، فَغَفَرَ لَهٗ)) (متفق علیہ)

''ایک شخص نے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی (اور بڑا ظلم کیا' یعنی غفلت سے اللہ کی نافرمانی والی زندگی گزارتا رہا) جب اُس کی موت کا وقت آیا تو (اپنی پچھلی زندگی کو یاد کر کے اس پر اللہ کے خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا' اور آخرت کے برے انجام سے وہ بہت ڈرا' یہاں تک کہ) اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی' کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جلا کر راکھ کر دینا' پھر تم میری اس راکھ میں سے آدھی تو کہیں خشکی میں بکھیر دینا اور آدھی کہیں دریا میں بہا دینا (تاکہ میرا کہیں نام و نشان بھی نہ رہے' اور میں جزا و سزا کے لیے دوبارہ زندہ نہ کیا جاؤں' اُس نے کہا کہ میں ایسا گنہگار ہوں کہ) اللہ کی قسم! اگر

اللہ نے مجھے پکڑ لیا تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دے گا جو دنیا جہان میں کسی کو بھی نہ دے گا۔ اس کے بعد جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا (جلا کر اس کی راکھ کو کچھ ہوا میں اڑا دیا' اور کچھ دریا میں بہا دیا)۔ پھر اللہ کے حکم سے خشکی اور تری سے اس کے اجزاء جمع ہوئے (اور اس کو دوبارہ زندہ کیا گیا) پھر اس سے پوچھا گیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا: اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ڈر سے ہی میں نے ایسا کیا تھا۔ (رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ) پس اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔''

پہلے زمانے کا یہ شخص اللہ ربّ العزت کی شان اور اس کی صفات سے ناواقف تھا' اس کے اعمال بھی اچھے نہ تھے' لیکن وہ ڈر گیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کیا جائے گا تو مجھے سخت سزا ملے گی۔ چنانچہ اس نے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچنے کے لیے بہتر سمجھا کہ اسے مرنے کے بعد جلا کر راکھ کر دیا جائے' چنانچہ وہ مر گیا تو اسے جلا دیا گیا۔ اگرچہ اس کا یہ عمل مشروع نہ تھا مگر خوفِ خدا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا اور اس کی بخشش کر دی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾﴾ (الزمر)

''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے: اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دے گا۔ بے شک وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

جب بندہ اپنے گناہوں پر شرمسار ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور بے بسی کے ساتھ جھک جاتا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو بندے کا یہ انداز اچھا لگتا ہے۔ وہ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے دیکھو یہ میرا بندہ جانتا ہے کہ میں ہی اس کے گناہوں کو بخشنے والا ہوں' پس میں نے اسے بخش دیا۔ بخشش کے بارے میں اللہ تعالیٰ مختارِ مطلق ہے مگر اس کا رجحان مغفرت کی طرف ہے۔ وہ نیکیوں کا بدلہ دینے میں وسعت سے کام لیتا ہے اور گناہوں کی گرفت میں سختی سے کام نہیں لیتا۔ وہ گناہگار کو مہلت دیتا ہے کہ پشیمان ہو اور مغفرت طلب کرے' اگر وہ خلوص سے بخشش کا طالب ہو گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اسے ڈھانپ لے گی۔ پس کسی بدعمل کو دوزخی نہیں کہہ سکتے اور کسی تقویٰ شعار کو حتمی طور پر جنتی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ کوئی انسان کسی عابد و زاہد یا کسی بدعمل و بدکردار کے ایمان کو نہیں جانتا۔ صرف اللہ جانتا ہے کہ اس

متقی کے تقویٰ کی حقیقت کیا ہے اور یہ بدکردار تو ہے مگر اس نے اللہ کی رحمت کی امید پر موت سے پہلے معافی مانگ لی ہے۔

ایک عبادت گزار خاتون تھی' حضرت حسن بصریؒ کی عقیدت مند اور شاگردہ تھی۔ اس کا ایک بچہ ہوا تو وہ جوانی میں بیوہ ہوگئی۔ بیٹے کی خاطر اس نے دوسری شادی نہ کی۔ وہ بیٹے کا ہر طرح سے خیال رکھتی۔ بیٹا بڑا ہوا تو بری صحبت میں پڑ گیا۔ اُس کی ماں اسے حسن بصریؒ کے پاس لے گئی۔ انہوں نے نصیحت کی مگر لڑکے پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اسی طرح بچے کو سمجھاتی رہی اور حسن بصریؒ کے پاس بھی لے جاتی مگر بے سود۔ جب بھی بچہ گھر آتا تو ماں اس سے پیار کرتی سمجھاتی مگر بچے کے کان پر جوں نہ رینگتی۔ اللہ کی شان کہ وہ لڑکا برے کاموں اور بری صحبت میں اس طرح پڑ گیا کہ اس کی صحت تباہ ہوگئی اور بستر پر پڑ گیا۔ وہ اتنا کمزور ہوگیا کہ اسے آخرت کا سفر سامنے نظر آنے لگا۔ ڈاکٹروں نے اس کو لاعلاج قرار دے دیا۔ ماں اس کو سمجھاتی کہ بیٹا اب بھی توبہ کرلو! وہ کہتا امی میری ساری زندگی نافرمانیوں میں گزری' میں نے بڑے بڑے گناہ کیے' اب میں کیا توبہ کروں؟ ماں چاہتی تھی کہ بیٹے کو حسن بصریؒ کے پاس لے جائے' مگر نہ تو بیٹا چل سکتا تھا اور نہ ہی وہ اسے اٹھا سکتی تھی۔ چنانچہ وہ خود حسن بصریؒ کے پاس جانے لگی۔ بیٹا زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ اُس نے ماں سے کہا امی! اگر تمہارے واپس آنے سے پہلے مرجاؤں تو حضرت کو کہنا کہ میرا جنازہ پڑھا دیں۔ ماں نے حضرت کو بتایا کہ لڑکے کا آخری وقت ہے۔ وہ نہ چل کر آپ کے پاس آ سکتا ہے نہ میں اسے اٹھا کر لا سکتی ہوں۔ آپ میرے گھر چلیں اور اسے توبہ کروا دیں۔ حضرت نے کہا کہ اب میں نہیں جا سکتا' میں اسے سالوں سے سمجھا رہا ہوں لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اب تو وہ مرجائے تو میں اس کا جنازہ بھی نہیں پڑھاؤں گا۔

ماں آنسو بہاتی ہوئی واپس آئی' بیٹے نے ماں کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل موم ہوگیا۔ ماں سے کہنے لگا امی! میری سانس اُکھڑ رہی ہے' میں چند لمحوں کا مہمان ہوں' میری ایک وصیت سن لیجیے' جب میں مرجاؤں تو اپنا دوپٹہ میرے گلے میں ڈالنا اور میری لاش کو مرے ہوئے کتے کی طرح گلیوں میں گھسیٹنا تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ ماں کے نافرمان کا انجام ایسا ہوتا ہے۔ اور امی! دوسری بات یہ ہے کہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرنا تاکہ میرے گناہوں کی وجہ سے قبرستان کے مُردوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اللہ کی شان کہ نوجوان کی

ٹوٹے ہوئے دل سے عاجزی کی دعا نکلی تو پروردگار کو پیاری لگی۔ لڑکا فوت ہوگیا۔ ماں اس کی آنکھیں بند کر رہی تھی کہ باہر دروازے پر دستک ہوئی۔ ماں نے دروازہ کھولا تو دیکھا حضرت حسن بصریؒ تھے۔ عورت نے پوچھا حضرت آپ کیسے؟ لڑکا تو فوت ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا: میں اس کا جنازہ پڑھانے آیا ہوں۔ عورت بولی آپ نے تو جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت کہنے لگے: مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم الہام ہوا کہ تو میرا کیسا ولی ہے کہ میرے ایک ولی کا جنازہ پڑھانے سے انکار کرتا ہے! میں سمجھ گیا کہ مرنے سے پہلے بچے کی پرخلوص توبہ رب تعالیٰ نے قبول کر لی ہے۔ چنانچہ آپؒ نے جنازے کی نماز پڑھائی اور لڑکا دفن کر دیا گیا۔ (تلخیص بکھرے موتی' بحوالہ دوائے دل)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے' وہ خوفِ خدا سے نکلے ہوئے ایک آنسو سے بھی دوزخ کی آگ بجھا دیتا ہے۔ اس واقعے سے یہ سبق ملا کہ کسی کے گناہوں کا چرچا ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ کیا پتا جسے ہم بدکردار دیکھتے ہیں وہ مرنے سے پہلے اپنے پُرخلوص آنسوؤں سے اپنے پروردگار کی رحمت اور اس کا پیار حاصل کر کے مغفرت پا چکا ہو۔ لہٰذا کسی بدکردار مسلمان کے برے کاموں سے تو نفرت بجا' مگر اُس کے انجام کے متعلق برا حکم لگانا درست نہیں۔

❁❁❁

اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین
کی اہمیت وفرضیت، بعنوان:

توحیدِ عملی

سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اشاعت خاص 150 روپے، اشاعت عام 100 روپے

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا احسانی و عرفانی مقام

محمد ظفر اقبال

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اتنی ہمہ جہات اور متنوع اوصاف و کمالات سے مملو ہے کہ اگر ان کی بابرکت زندگی کے کسی ایک ہی گوشے کو موضوع بنا کر اس پر لکھا جائے تو مختلف عنوانات پر ایک ایک بسیط مقالہ تیار ہو سکتا ہے۔ اس حقیقت کے برعکس یہ بات بھی بہت قابل مشاہدہ ہے کہ آزادیٔ ہند کی مختلف تحریکات میں قائدانہ اور جاں فروشانہ شمولیت نے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت کو جہاد، سیاسیات اور تحریکات میں قیادت کا استعارہ بنا دیا ہے۔ بلاشبہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی میدانِ جہاد و تحریکات میں خدمات اس لائق ہیں کہ منصبِ امامت اور نقشِ ہدایت کے لیے برعظیم میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اگر کسی شخصیت کا نام لیا جا سکتا ہے تو وہ بجا طور پر صرف شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جہاں اس تکرار و گردان اور تحقیق و تفتیش نے میدانِ جہاد، تحریکات، زندان و اسیری کے ایام میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی حیات کے تقریباً ہر گوشے کو منظر عام پر لا کر اس باب میں اتباع کی بڑی راہ فراہم کی ہے اور اخلاف کو سلف کے طریق جہاد و سیاست کی ایک محفوظ راہ دکھائی ہے، وہیں اس عمل اور رویے سے لاشعوری طور پر ہی سہی لیکن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بہت سے باطنی، احسانی، عرفانی، اخلاقی، سماجی اور تعلیمی پہلو نظر انداز ہو گئے ہیں، یا اس طرح واضح ہو کر منصۂ شہود پر نہیں آ سکے کہ ان سے بلا تحقیق و تفحص رہنمائی لی جا سکے۔ اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اگر شیخ الہندؒ کی زندگی کا بہ نظرِ امعان مطالعہ کیا جائے تو آپؒ کی شخصیت علم و فضل، درس و تدریس، افتا و تصنیف، مناظرے و وعظ اور سلوک و عرفان میں بھی جہادی اور تحریکی سرگرمیوں ہی کی طرح جامع اور منصبِ امامت پر فائز نظر آئے گی۔

استحضارِ الٰہی اور جذبۂ عبودیت: لازمۂ احسان

زیرِ نظر تحریر میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے احسانی و عرفانی مقام کا ایک اجمالی جائزہ مقصود ہے۔ احسان و عرفان سے مراد وہ مواجید و احوال نہیں جنہیں فی زمانہ عرفان و احسان کا لازمہ باور کیا

جاتا ہے، اگرچہ وسائل اور ذرائع کے درجے میں ان کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن یہاں احسان سے مراد بندگی کی وہ خاص اور متعین صورت ہے جو انسان کی کل زندگی کا احاطہ کر کے اس میں استحضارِ خداوندی اور جذبۂ عبودیت کو پیدا کر دیتی ہے۔ یہی عبودیت یا بندگی تمام تر فضائل و احسان کی بنیادی صفت ہے۔ غور کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کے القاب میں سب سے بڑا لقب ''عبد'' ہے اور عارفین نے سب سے بڑا مقام ''عبدیت'' ہی کا بتلایا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آپ کو کون سا لقب و وصف سب سے زیادہ پسند ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''عبدیت''، اسی لیے سورۂ اسراء میں آپ ﷺ کا یہی پسند کردہ لقب نازل ہوا۔ (۱)

بندگی کا جذبہ اگر ذہن، ارادے اور طبیعت میں راسخ ہو جائے تو زندگی کا ہر میلان، ہر فعل اور ہر تاثر بندگی کی کیفیت سے معمور ہو جاتا ہے اور عبودیت اور استحضارِ الٰہی انسان کا ''حال'' بن جاتی ہے۔ انسان نیت، ارادے، شعور اور عمل، ہر سطح پر تفویض اور سپردگی کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اسی استحضارِ الٰہی کے مراقبے اور خوشنودیٔ رب کی جستجو کو عارفین ''اخلاص'' سے تعبیر کرتے ہیں، جس سے انسان کے ذاتی اوصاف میں اگر ایک طرف خاک ساری و خود احتسابی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو دوسری جانب اس کے اعمال و احوال میں برکت اور تھوڑے عمل کی بڑی جزا مرتب ہوتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ)) (۲)

''بہت سارے پریشان حال، پراگندہ حال، گرد و غبار سے اَٹے ہوئے بالوں والے ایسے ہیں جنہیں دروازوں پر دھکیلا جائے، مگر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اعتماد پر اگر وہ قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کو سچا کر دکھائے۔''

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: ذات اور علم کی عینیت

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا درسِ حدیث ہندوستان میں معروف تھا، چالیس سال تک آپ نے دارالعلوم دیوبند کی مسندِ تدریس سے ''قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ ﷺ'' کی صدائے دل نواز لگائی۔ آپ کی زبردست شخصیت کے باعث دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد ۲۰۰ تک پہنچ گئی۔ آپ کے زمانے میں ۸۶۰ طلبہ نے حدیث نبویؐ سے فراغت حاصل کی۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ نگار آپ کے درس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حلقہ درس دیکھ کر سلف صالحین و اکابر محدثین کے حلقہ، حدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔ قرآن و حدیث حضرت کو ازبر تھے اور ائمہ اربعہ کے مذاہب زبان پر۔ صحابہؓ و تابعین، فقہاء و مجتہدین کے اقوال محفوظ۔ تقریر میں نہ گردن کی رگیں پھولتی تھیں، نہ منھ میں کف آتا تھا، نہ مغلق الفاظ سے تقریر کو ادق اور بھدّی بناتے تھے۔ نہایت سبک اور سہل الفاظ، با محاورہ اردو میں اس روانی اور تسلسل سے تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا دریا اُمنڈ رہا ہے۔ یہ کچھ مبالغہ نہیں ہے۔ اب بھی کئی دیکھنے والے موجود ہوں گے کہ وہی منحنی جسم اور منکسر المزاج ایک مشت استخوان، ضعیف الجثہ مرد خدا جو نماز کی صفوں میں ایک معمولی مسکین طالب علم معلوم ہوتا تھا اور بارہا مسجد کے فرش پر بلا کسی بستر کے لیٹا ہوا نظر آتا تھا، مسند درس پر تقریر کے وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیر خدا ہے، جو قوت و شوکت کے ساتھ حق کا اعلان کر رہا ہے۔'' (۳)

معروف مستشرقہ باربرا مٹکاف [Barbara Metcalf] آپ کی تدریسی خصوصیات کے متعلق لکھتی ہیں:

"He was a man of extraordinary energy, teaching ten lessons each day, writing, caring for Muhammad Qasim in his final illness. He was devoted to the school and resisted all invitations to leave it. His fame was especially great in hadith; and his biographer notes, in the course of his career he taught over a thousand students from such distant places as Kabul, Qandahar, Balkh, Bukhara, Mecca, Medina and Yeman. Among them were Anwar Shah Kashmiri, Shabir Ahmed Osmani and Hafiz Muhammad Ahmad, the Leaders of the third generation of ulama at the school'. (4)

حافظے اور استحضار کا یہ عالم تھا کہ:

''شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ کتابیں دھوپ میں رکھنے کے لیے باہر نکالیں، اتفاق سے میزی کے کچھ ورق پھٹ گئے، حضرت نے ایک طالب علم سے کہا: اس کو لکھ لو، اس نے کہا: کیسے لکھوں؟ میرے پاس وہ کتاب ہی نہیں۔ فرمایا: اچھا! سال گزشتہ پڑھی، امسال بھول گئے؟ پھر فرمایا: اچھا لکھو، میں بولتا ہوں، چنانچہ زبانی لکھوا دیا۔'' (۵)

اس مقام پر یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ حافظے اور استحضار کی لیاقت عارفین کی تصریحات کے مطابق حلال رزق اور نظروں کی حفاظت سے مشروط ہے، جس سے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پوری طرح بہرہ یاب تھے۔ علم اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ میں اسی عینیت کو آپ کے شیخ و مربّی مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مختصر سے فقرے میں سمیٹ کر بیان کر دیا ہے کہ: ''محمود علم کا کٹھلا ہے۔'' (۶)

علم و فضل کی یہ لیاقت اور درس و تدریس کی اس شان کے باوجود شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی بے نفسی اور فنائیت ایسی تھی کہ خود فرماتے ہیں:

''میں بارہا گنگوہ حاضر ہوا اور جی میں بھی آیا کہ حضرت مولانا [گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ] سے عرض کر دوں کہ مجھے بھی حدیث کی سند دے دیجیے، لیکن کبھی اس درخواست کی ہمت نہ پڑی۔ جب اس نیت سے گیا تو یہی خیال ہوا کہ تو یہ تمنا لے کر تو جاتا ہے، لیکن تجھے کچھ آتا جاتا بھی ہے؟ بارہا خیال ہوا کہ عرض کروں کہ سب کو حضرت سند دیتے ہیں، مجھے بھی سند دیجیے، مگر پھر خیال ہوا کہ مولانا پوچھ بیٹھیں کہ تجھے کچھ آتا بھی ہے، جو سند لیتا ہے؟ تو کیا جواب دوں گا! اس لیے کبھی درخواست کی ہمت نہ ہوئی۔'' (۷)

چلیے تھوڑی دیر کے لیے استاذ اور شیخ کے سامنے، اور وہ بھی مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے استاذ و شیخ کے رو بہ رو اس خاک ساری کی توجیہہ کی جا سکتی ہے، لیکن مولانا محمد شاہ رام پوری رحمۃ اللہ علیہ تو معاصر تھے، ان کے سامنے خاکساری کا اظہار! واقعہ ملاحظہ فرمایئے! یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کا نفس مزکی ہو چکا ہو۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ثقات سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ مراد آباد میں وعظ کی درخواست کی گئی، بہت کچھ عذر کے بعد منظور فرمایا اور بیان شروع ہوا۔ حدیث یہ تھی: ''فَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ'' — اَشَدُّ کے ترجمے کا حاصل ''بھاری'' لفظ سے فرمایا (کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے) مجلس میں ایک پرانے عالم تھے جو محدث کے لقب سے معروف تھے، انہوں نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ: ''اَشَدُّ'' کا ترجمہ غلط کیا گیا، ایسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں۔ تو مولاناؒ بے ساختہ کیا فرماتے ہیں کہ حضرت! مجھ کو تو پہلے سے معلوم ہے کہ مجھ جیسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں اور میں نے ان صاحبوں سے اسی واسطے عذر بھی کیا تھا، مگر انہوں نے مانا نہیں، اب بہت اچھا ہوا کہ حضرت کے ارشاد سے بھی میرے عذر کی تائید ہو گئی اور بیان سے بچ گیا۔ حاضرین کو تو

جس قدر ناگواری ہوئی اس کا کچھ پوچھا نہیں' دانت پیستے تھے کہ یہ کیا لغو حرکت تھی۔ گو مولاناؒ نے بجائے ناگوار سمجھنے کے یہ کمال کیا کہ نہایت سکون کے ساتھ ان کے پاس جا کر ان کے سامنے ادب سے بیٹھ کر نہایت نیاز مندی کے لہجے میں ارشاد فرمایا کہ: حضرت! غلطی کی وجہ معلوم ہو جائے تو آئندہ احتیاط رکھوں۔ انہوں نے کڑک کر فرمایا کہ: ''اَشَد'' کا ترجمہ آپ نے ''اثقل'' سے کیا' یہ کہیں منقول نہیں' ''أضر'' سے کرنا چاہیے۔ مولاناؒ نے فرمایا: اگر کہیں منقول ہو تو؟ انہوں نے کہا: کہاں ہے؟ مولاناؒ نے فرمایا: حدیثِ وحی میں ہے' کسی نے پوچھا: كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ؟ (آپ ﷺ پر نزولِ وحی کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟) جواب میں ارشاد ہوا: ((يَأْتِينِي أَحْيَانًا مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرْسِ وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ)) (کبھی وحی مجھ پر گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے) اور ظاہر ہے کہ یہاں ''أَضَـــر'' (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ممکن نہیں' ''أثقل'' (زیادہ بھاری) ہی کے معنی صحیح ہو سکتے ہیں۔ بس! یہ سن کر ان کا تو رنگ فق ہو گیا' مگر مولاناؒ نے نہ کچھ اس پر فخر کیا' نہ دوبارہ بیان شروع فرمایا۔''(۸)

شیخ الہندؒ: فیض قاسمی کا شجرۂ طوبیٰ' خاکساری کا نتیجہ

للّٰہیت اور خاکساری کے یہی وہ اوصاف تھے جنہوں نے شیخ الہندؒ کو ترکِ ذات کے مقامِ عُلیا تک پہنچا دیا تھا' اس لیے کہ خدا کا وعدہ ہے کہ جو تواضع اختیار کرے گا ہم اسے رفعت عطا کریں گے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اسی وصف پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے نام' گرامی نامے میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو تنکے سے کام لیتا ہے اور پہاڑ رہ جاتا ہے۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ اور مولانا عبدالعدل صاحبؒ' حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہٗ العزیز کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ذکی' حفظ اور ذہن وغیرہ میں اعلیٰ درجہ رکھنے والے تھے۔ مولانا احمد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے درجے میں تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت بھی ان پر سب سے زیادہ تھی۔ ہمارے آقا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں گرے ہوئے شمار کیے جاتے تھے' مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے جو کام لیا وہ ان میں سے کسی سے نہیں ہوا اور نہ ہو سکا۔ آج فیض قاسمی عالم میں میزابِ محمودی سے جاری ہے۔''(۹)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج و طبیعت میں اخفاء کا بھی غلبہ تھا' اپنے علم و فضل کے اخفاء کے حوالے سے آپ ہو بہ ہو اپنے استاذ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم رنگ و آہنگ تھے۔ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ بہت ہی معروف ہے کہ:

''اس علم نے خراب کیا' ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا۔''(۱۰)

یہی فقرہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے متعلق منقول ہے:

''اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم سے نہ نوازا ہوتا تو اپنے کو اس قدر مٹاتے کہ محمود نام کا کوئی رہ نہ جاتا۔''(۱۱)

لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؒ کی تواضع کی برکت سے آپؒ کے نام کو رہتی دنیا تک کے لیے علم و فضل سے لے کر حریت اور جہاد تک ہر جگہ نمایاں فرما دیا۔

ذوقِ عبادت اور حسنِ معاشرت: اساسِ بندگی

عبودیت اور بندگی کو دو بنیادی اوصاف: ذوقِ عبادت اور حسنِ معاشرت کے بلیغ عنوانات میں سمویا جا سکتا ہے۔ عبادت' بندگی کا لازمہ اور تخلیق کی وجۂ اصل ہے۔ لیکن ضابطے کی عبادت اور ذوقی عبادت میں بہت فرق ہے۔ عبادت کا ذوق اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کے لیے عبادت دل کا سکون اور لذت و فرحت کا سامان بن جائے۔ عبادت کے دو بنیادی مظاہر ہیں: تلاوت اور نماز۔ ایسا شخص جسے ذوقِ عبادت حاصل ہو' تلاوت اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور نماز مخاطبت کا۔ اذکار و اوراد کی کثرت اور اس پر استمرار سے مقامِ عبودیت کو رسوخِ کامل حاصل ہوتا چلا جاتا ہے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: باجماعت نماز اور نوافل کا غیر معمولی اہتمام

واقفینِ حال شہادت دیتے ہیں کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ذکر' تلاوت اور نماز طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھیں۔ عبادت کی خشتِ اول نماز باجماعت کی پابندی ہے جس کی عادت رفتہ رفتہ عبادت بن جاتی ہے۔ مولانا عزیز الرحمٰن بجنوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''صلوٰۃ باجماعت کا تو اس قدر اہتمام تھا کہ تکبیر اولیٰ تک فوت نہ ہوتی۔''(۱۲)

ذوقِ عبادت کا یہ وافر حصہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو زمانۂ طالب علمی ہی میں عطا ہوا تھا۔ باجماعت نماز کے علاوہ صلوٰۃ اللیل اور دیگر اوراد و وظائف سے متعلق مولانا میاں سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا (محمود حسنؒ) ایامِ طالب علمی ہی سے قیامِ لیل کے پابند تھے..... دن کو تعلیم وتعلّم کا شغل رہتا تھا' رات کو ادائے اَوراد واذکارِ معمولہ مشائخ اور تعلیم فرمودۂ حضرت استاذ کا۔ شب کو دس گیارہ بجے تک حضرت استاذ (مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں رہتے اور اس کے بعد گاہ گاہ رات کو مطالعہ وسبق دیکھتے۔ ذرا آرام کر کے نوافل اور ذکر اللہ میں مصروف ہو جاتے۔''(۱۳)

عبادات ومعمولات میں تستّر و اِخفاء کا عالَم یہ تھا کہ پوری کوشش فرماتے کہ کسی کو آپ کے معمولات کی خبر نہ ہو۔ مولانا عزیز الرحمٰن بجنوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''صلوٰۃ اللیل سے تو گویا آپؒ کو عشق تھا۔ جب دیکھا کہ سب سو چکے ہیں' چپکے سے اُٹھے اور نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ طویل طویل رکوع اور قیام میں پوری پوری رات گزار دیتے' لیکن جہاں کہیں بھی ذرا سی آہٹ محسوس کرتے کہ کوئی جاگ رہا ہے' فوراً ہی لیٹ جاتے' تاکہ دیکھنے والے کو یہ احساس ہو جائے کہ حضرت سو رہے ہیں۔''(۱۴)

کسی بے تکلف نے ایک مرتبہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے یہ دریافت کر لیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ لوگوں کے جاگ جانے کے خیال سے نماز کیوں توڑ دیتے ہیں؟ فرمایا:

''بھائی! نفلی نماز کو توڑنے کے بعد دوسرے وقت ان کی قضا میرے لیے زیادہ سہل ہے اور بہتر ہے اس سے کہ لوگ میرے بارے میں حسن ظن رکھیں اور واقع میں میں ایسا نہ ہوں۔''(۱۵)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: کثرتِ عبادت کے باعث پاؤں کے ورم پر خوشی

ایک مرتبہ کثرتِ عبادت کی بنا پر پاؤں ورم کر گئے تو اس پر خوش ہو کر فرمایا:

''آج ایک سنت — ''حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاہُ'' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم ہائے مبارک کثرتِ قیام کی بنا پر ورم کر جاتے تھے'' — پر اتباع نصیب ہوا۔''(۱۶)

اتباعِ سنّت: مجاہداتِ سلوک کا نقطۂ منتہا ومقصود

اتباعِ سنت تمام تر مجاہدات اور سلوک وعرفان کا پھل ہے۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اتباعِ سنت کا یہ عالَم تھا کہ:

''قیامِ دیوبند کے دوران جمعے کے روز دیوبند سے باہر نہر پر تشریف لے جاتے' کپڑے دھوتے' پھر غسل فرماتے' یہاں تک کہ کپڑے پھریرے اور پہننے کے قابل

ہو جاتے تو پہن کر ایسے وقت چلتے کہ جمعے کی اذان ہونے لگتی اور اذان سنتے ہی ایک دوڑ لگاتے کہ آیت کریمہ: ﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ ''جب نمازِ جمعہ کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف سعی کرو'' پر عمل ہو سکے۔''(۱۷)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: عبادت اور اطاعت کا مظہرِ کامل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((رَاْسُ الْاَمْرِ فَالْاِسْلَامُ وَاَمَّا عَمُوْدُہٗ فَالصَّلٰوۃُ وَاَمَّا ذُرْوَۃُ سَنَامِہٖ فَالْجِھَادُ))(۱۸)

''اس چیز (دین) کا سر اسلام ہے' اس کا ستون نماز اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے۔''

بندگی کی غایتِ اصلی کے دو بڑے مظاہر ہیں: نماز اور جہاد۔ بندگی کے تشکیلی عناصر کا دائرہ ان ہی دو قوسوں سے مکمل ہوتا ہے۔ یہ دونوں مظاہر ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہی نہیں' عین یک دیگر ہیں اور غایت ان کی ایک ہے: بندگی۔ نماز عبادتِ الٰہی کا مظہرِ کامل ہے اور جہاد نیابتِ الٰہی کا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں بندگی کے یہ دونوں مظاہر پوری شان سے جلوہ گر تھے۔ جہاد سے وابستگی ہی نے انہیں ''اسیر مالٹا'' بنایا تھا۔ اور نماز جسے متذکرہ حدیث میں عبادت کے استعارے کے طور پر پیش کیا گیا ہے' اس میں انہماک کا عالَم یہ تھا کہ فرائض تو فرائض ہی تھے' شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے معمولہ نوافل' اَوراد واذکار اور معمولات کی اس پابندی میں نہ درس وتدریس کی مشغولیت رکاوٹ بنتی تھی نہ ہی تحریک و جہاد کی مصروفیت' حتیٰ کہ ایامِ اسیری میں بھی شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ معمولات اپنی ترتیب کے مطابق انجام دیتے رہے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مولانا عشاء کی نماز کے بعد بہت تھوڑی دیر جاگتے تھے' کچھ اپنے اَوراد پڑھتے تھے اور پھر پیشاب وغیرہ سے فارغ ہو کر وضو فرماتے۔ کبھی کبھی باتیں بھی کرتے تھے اور پھر سو جاتے تھے' کیوں کہ دس بجے کے بعد حکماً روشنیاں بجھا دی جاتی تھیں۔ جہاں دس بجتے اسی وقت سپاہی آواز دیتا تھا' سب چراغ اور موم بتیاں بجھانی پڑتی تھیں اور پھر تمام شب جلانے کی اجازت نہ تھی۔ جہاں جہاں کمروں میں برقی روشنیاں تھیں وہاں خود ہی بجھ جاتی تھیں۔ البتہ پھر وہ برقی روشنیاں جو کیمپ اور راستوں کی روشنی کے لیے تھیں وہ تمام رات جلا کرتی تھیں' ان کا تار برقی کمروں کی روشنی کے تار سے علاحدہ

تھا۔ الغرض دس بجے سے سب لوگ سو جاتے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ایک بجے یا ڈیڑھ بجے شب کو اُٹھتے اور نہایت دبے دبے پیروں سے نکلتے‘ دروازے سے باہر تشریف لاتے‘ پیشاب سے فارغ ہو کر وضو فرماتے‘ گرمیوں میں تو گرم پانی کی ضرورت ہوتی ہی نہ تھی‘ نل کا پانی مناسب ہوتا تھا۔ سردی کے زمانے میں ہم نے یہ خاص اہتمام کیا تھا کہ چولہے پر کھانے کے بعد ایک بہت بڑے ٹین کے لوٹے میں جو کہ چائے کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے ملتا اور اس میں ٹینٹو پیچ دار لگی ہوئی تھی اور اس میں ہمارے معمولی دس بارہ لوٹے پانی آجاتا تھا‘ پانی خوب گرم کرلیا جاتا تھا اور پھر اسی پاس والے کمرے میں جہاں پر نل لگا ہوا تھا‘ اس لکڑی کے تخت پر جس پر سب کپڑے دھوتے تھے ایک کمبل میں لپیٹ کر عشاء کے بعد رکھ دیتے تھے۔ یہ پانی صبح تک خوب گرم رہتا تھا‘ حال آں کہ سردی بہت ہی زیادہ پڑتی تھی‘ اندھیرے ہی میں جا کر اس میں نماز تہجد ادا فرماتے تھے۔ جب اس سے فارغ ہو جاتے تو پھر چارپائی پر آکر بیٹھ جاتے تھے اور صبح تک مراقبہ اور ذکر خفی میں مشغول رہتے تھے اور ہزار دانوں کی تسبیح ہمیشہ سرہانے رکھی رہتی تھی۔ اسم ذات کی کوئی مقدار معین کر رکھی تھی‘ اس کو ہمیشہ بالتزام پورا فرماتے۔ مراقبے کا اس قدر انہماک ہو گیا تھا کہ بعض اوقات میں دو دو تین تین مرتبہ باتیں دھراتے‘ مگر سمجھتے نہ تھے۔ صبح کی نماز سے پیشتر اکثر پیشاب کرتے اور وضو کی تجدید فرما کر نماز باجماعت ادا فرما کر وہیں مصلے (سجادہ) پر آفتاب کے بلند ہونے تک مراقب رہتے تھے۔ اس کے بعد اشراق کی نماز ادا فرما کر اپنے کمرے میں تشریف لاتے۔ اس وقت مولانا کے لیے اُبلے ہوئے انڈے اور چائے تیار رہتی تھی‘ وہ پیش کر دی جاتی تھی۔ اس کو نوش فرما کر دلائل الخیرات اور قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تھے۔ اس سے فارغ ہو کر کچھ ترجمہ قرآن شریف تحریر فرماتے یا اس پر نظر ثانی کرتے یا اگر خط لکھنے کا دن ہوتا تو خط تحریر فرماتے یا وحید کو سبق پڑھاتے۔ اتنے میں کھانے کا وقت آجاتا‘ کھانا تناول فرما کر چائے نوش فرماتے تھے۔ اس کے بعد اگر کسی سے ملنے کے لیے ورودالہ یا سینٹ کلیمنٹ کیمپ یا بلغار کیمپ میں جانا ہوتا تو وہاں کا قصد فرماتے اور کپڑے پہن کر تیار ہو جاتے تھے اور اگر جانے کا قصد نہ ہوتا تو آرام فرماتے اور اگر کوئی ملنے کے لیے دوسرے کیمپ میں سے آتا تو اس سے باتیں کرتے۔ اگر تیز گرمی کا زمانہ ہوتا تھا تب تو وہیں چارپائی پر اور اگر کچھ بھی سردی ہوتی تو صحن میں دھوپ میں قیلولہ فرماتے تھے۔ وہاں پر ہم سب دو تین گدّے ڈال دیتے اور اس پر

کمبل اور تکیہ بچھا دیا جاتا تھا اور اگر کسی نے غفلت کی تو خود تکیہ لے جاتے اور ان گدّوں اور کمبل کو بچھا کر آرام فرماتے۔ دو تین گدّے ہم نے زائد اسی واسطے لے رکھے تھے جو کہ ہمیشہ علاحدہ رکھے رہتے تھے اور جب تک وہ حاصل نہ ہوئے تھے تو بعض چارپائیوں کے گدّے اٹھا لیے جاتے تھے۔ تقریباً دو یا ڈیڑھ گھنٹے تک اسی طرح آرام فرماتے تھے۔ پھر قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے اور پھر وضو فرمانے کے بعد تلاوتِ قرآن شریف‘ دلائل الخیرات‘ حزب الاعظم وغیرہ میں مشغول ہوتے‘ مگر قرآن شریف بہت زیادہ پڑھتے تھے۔ غالباً روزانہ دس بارہ پارے پڑھتے تھے۔ ظہر کی اذان تک اسی حالت میں رہتے تھے‘ پھر مسجد میں تشریف لاتے اور نماز سے فارغ ہو کر اگر وحید کا سبق ہوتا تو کبھی اس وقت میں اور کبھی صبح کو اپنے اَوراد سے فارغ ہو کر کھانے کے وقت تک پڑھاتے تھے‘ بلکہ اکثر صبح ہی کو پڑھاتے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد اکثر مولانا رحمۃ اللہ علیہ ذکر خفی لسانی میں مشغول ہوتے تھے‘ وہ ایک ہزار دانے والی تسبیح چادر یا رومال کے نیچے چھپا کر بیٹھ جاتے اور ذکر کرتے تھے۔ مغرب کے بعد بھی ذکر خفی میں مشغول ہو جاتے تھے۔‘‘(۱۹)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: مجاہدانہ سرگرمیوں کی عدمِ قبولیت کے خوف سے گریہ

دین کی سربلندی اور خلافت اسلامی کی بقا و استحکام کے لیے زندان و اسیری‘ عبادات و اذکار کی پابندی اور ترجمۂ قرآن کی سعادت کے باوصف شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت یہ تھی کہ:

> ’’جس وقت مالٹا میں تھے‘ ایک روز بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ ساتھیوں نے پوچھا: کیا حضرت گھبرا گئے ہیں؟ یہ لوگ سمجھے کہ گھر بار یاد آرہا ہوگا یا جان جانے کا خوف ہوگا۔ فرمایا کہ میں اس وجہ سے نہیں رو رہا ہوں جو تم سمجھے ہو‘ بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ مقبول بھی ہے یا نہیں؟‘‘(۲۰)

حسنِ خلق بھی عبادت ہے

ذوقِ عبادت اور بندگی کا ایک اہم‘ عظیم اور غالب حصہ مخلوقات سے معاملات اور تعلقات سے متعلق ہے‘ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ، فَاَحَبُّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ)) (۲۱)

> ’’مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبت اس شخص سے ہے‘ جو اس کے کنبے سے حسن سلوک سے پیش آئے۔‘‘

عام طور پر یہ بات قابل مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی بزرگ یا عالم درس و تدریس، تصنیف و افتاء یا صوفیانہ امور میں مشغول رہتا ہے تو اسے بالعموم کاروبارِ دنیا اور لوگوں سے میل جول اور تعلق و اختلاط سے مستثنیٰ سمجھا جاتا ہے، بلکہ پیش قدمی کر کے اگر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ فی زمانہ مؤخر الذکر غفلت اور اول الذکر انہماک ہی کو سلوک و عرفان کی معراج سمجھا جانے لگا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ رویہ فی الحقیقت سیرتِ نبوی ﷺ، اُسوۂ صحابہ و اہل بیت (رضی اللہ عنہم) اور اخلاقِ صوفیہ تینوں کے منافی ہی نہیں، بلکہ ایک ایسی غیر متوازن شخصیت کا غماز بھی ہے جو دین کے ایک بہت اہم اور بڑے حصے سے خود کو اپنی ان انفرادی ''ذمے داریوں'' کے باعث مستثنیٰ سمجھنے لگتا ہے، جس کے حصول اور جس کی ادائیگی کے لیے نصوص میں متواتر ترغیب و تحریص دلائی گئی ہے:

طریقت بہ جز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: ذوقِ عبادت اور حسنِ خلق کے جامع

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اسلاف کے طریق کی اتباع و پیروی میں عبادت و اخلاق دونوں کے توازن کا مظہر تھے۔ مولانا عزیز الرحمٰن بجنوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے عبادات و معاملات کے مابین توازن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''طالب علمی کی زندگی کے بعد متصلاً ہی معلمانہ زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ یہ زندگی بھی آپ کی مکمل ترین زندگی ہے۔ دن میں دس دس، گیارہ گیارہ گھنٹے درس کے بعد سلوک و تصوف کے تمام اشغال نہایت پابندی سے ادا کرتے تھے۔ صلوٰۃ باجماعت کا تو اس قدر اہتمام تھا کہ تکبیر اولیٰ تک فوت نہ ہوتی۔ غرض کہ پورا دن اسی مشغولیت میں صرف ہوتا۔ مہمانوں کی کثرت، ان کی دیکھ بھال اور خدمت، بال بچوں کی تربیت اور اہلِ بیت کے حقوق کی ادائیگی، غرض کہ کوئی سی مشغولیت بھی آپ کو صلوٰۃ باجماعت، ادائے اوراد و وظائف اور قیام اللیل سے مانع نہ ہوتی تھی۔''(۲۲)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: طالبانِ علوم سے تعلق اور شفقت

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس تھے۔ ظاہر ہے طالبان علوم سے ان کا سابقہ واسطہ ہمہ وقتی تھا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے احوال کا مطالعہ اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ آپؒ طالبان علوم کے لیے بے حد شفیق اور مہربان تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''(شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو) طالب علموں سے بے حد انس تھا''۔(۲۳) آپؒ کا علمی رعب اور آپؒ کی عرفانی وجاہت آپؒ کے اور طلبہ کے درمیان کبھی حائل نہ ہوتی۔ طلبہ بے تکلف آپ سے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔ مولانا قاری محمد طیب سے منقول ہے کہ ایک دن طلبہ نے کہا:

> ''حضرت تیرنا سکھلا دیجیے۔ چنانچہ جمعے کے دن سویرے طلبہ کو ہمراہ لے کر دیوبند سے باہر تالاب پر گئے اور ہر ایک کو تیرنا سکھایا۔ ایک پنجابی طالب علم نے کہا: حضرت! لائیے! میں آپ کی کمر مل دوں۔ یہ کہہ کر اس نے کمر ملنا شروع کر دی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا جسم بہت نرم تھا، طالب علم نے سمجھا میل بہت ہے، اس لیے فوراً ہی ریت اٹھا کر ملنا شروع کیا، جس کی وجہ سے کھال چھل گئی، مگر حضرت نے اُف نہ کی۔ جب واپس ہوئے تو راستے میں ایک بیل کو دیکھا جس کی کمر سے خون جاری تھا، پنجابی طالب علم نے کہا: کسی ظالم نے اس کو کتنی بری طرح مارا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا: جی ہاں! کسی پنجابی نے اس کی کمر ملی ہوگی۔''(۲۴)

اللہ اکبر! ایک تو طلبہ پر شفقت کا یہ عالم، اس طالب علم کی غلطی اور اپنی تکلیف پر ادنیٰ گرانی کا اظہار کیے بغیر بات کو مزاح میں ٹال دینا یہی شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا وصف تھا۔

شیخ الہندؒ: بے نفسی اور عاجزی کا عظیم مظہر

عُجب اور تکبّر کے بالمقابل بے نفسی و تواضع ہے۔ اس کی حقیقت زبانی اظہار سے زیادہ عملی ہے۔ یہ خود کو محض ہیچ مداں، احقر، خاکسار اور فقیر کہہ دینے سے عبارت نہیں، بلکہ اس کی حقیقت خود کو کسی بھی امتیازی وصف کی بنا پر عام لوگوں سے بلند سمجھے جانے کی عملی نفی ہے۔ بلکہ عارفین نے تو یہ بات نہایت وضاحت سے فرمائی ہے کہ جس نے اپنے لیے تواضع کو ثابت کیا وہ بے شبہ متکبّر ہے، کیوں کہ تواضع کا دعویٰ تو اپنی رفعت قدر کے مشاہدے کے بعد ہوگا، پھر جب اپنے لیے تواضع کا دعویٰ کیا گیا تو گویا اپنے مرتبے کی بلندی کا مشاہدہ کیا، یہی تکبر ہے۔ بے نفس، متواضع اور عجب سے پاک شخص ہمیشہ عام انسانوں میں گھلا ملا رہتا ہے۔ اس کے انداز و اطوار حاکمانہ نہیں ہوتے اور نہ وہ خوردوں سے کسی بڑائی یا تعظیم کا متمنی ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس وصف میں بھی نمایاں اور ممتاز تھے، مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا طبیعی مذاق تھا کہ وہ غرباء اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند

فرماتے تھے اور اپنی عادت‘ لباس‘ چال‘ معاملات وغیرہ اس قسم کا رکھنا چاہتے تھے۔ اہل دنیا اور امراء اور تکلف والوں سے گھبراتے تھے..... ریل میں تیسرے درجے میں سفر کرنا پسند فرماتے تھے۔‘‘(۲۵)

وہ بداہتاً خود کو ہر کمال اور عظمت سے مُعرّا باور کرتے تھے۔ مولانا قاری محمد طیب ؒ لکھتے ہیں:

’’اس رفعت شان پر بے نفسی کا عالَم یہ تھا کہ گویا نفس کا کوئی تقاضا باقی ہی نہیں رہا تھا‘ یا اس کے پورے ہونے کی کوئی صورت نہیں رہ گئی تھی‘ یا اُسے پامال کرنے کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔‘‘(۲۶)

اس سلسلے میں شیخ الہند ؒ کی زندگی کے تین واقعات ملاحظہ کیجیے۔ یہ عاجزی و فروتنی آج بھی عوام سے زیادہ خواص سے اتباع و تقلید کا مطالبہ کر رہی ہے۔ قاری محمد طیب ؒ لکھتے ہیں:

’’اس زمانے میں اکثر مساجد میں کسیر بچھادی جاتی تھی جو نرم بھی ہوتی تھی اور گرم بھی‘ یہ گھاس تالابوں میں پیدا ہوتی ہے‘ جب سوکھ جاتی ہے تو لوگ اسے بچھانے کے لیے لے آتے تھے‘ اسے دیہات کا قالین یا نرم گدّہ سمجھنا چاہیے۔ حضرت شیخ الہند ؒ کی مسجد میں بھی سردیوں میں برابر اس کا فرش ہوتا تھا۔ موسم سرما آنے پر ایک دن خود ہی طلبہ سے فرمایا کہ آؤ بھئی! مسجد کے لیے کسیر لے آویں۔ چار طلبہ کے ساتھ ہو لیے‘ انہیں حضرت اپنے باغ میں لے گئے‘ وسطِ باغ میں تالاب بھی تھا اور اس پر کسیر بہ کثرت پیدا ہوتی تھی‘ چنانچہ کسیر کاٹی گئی‘ خود حضرت بھی درانتی سے کاٹنے میں شریک رہے‘ کاٹ کر جمع شدہ ذخیرے کے پانچ گٹھڑ بنائے۔ طلبہ نے عرض کیا کہ: حضرت! پانچ گٹھڑیاں کیوں بنائی گئی ہیں؟ ہم تو چار ہیں۔ فرمایا: اور میرا حصہ کہاں گیا؟ یہ کہہ کر چار بڑی بڑی گٹھڑیاں تو طلبہ کے سروں پر رکھوائیں اور ایک اپنے سر پر رکھی۔ ہر چند طلبہ بہ ضد ہوئے کہ حضرت! اس ذخیرے کی چار گٹھریاں کر دی جائیں‘ ہم کافی ہیں‘ کچھ زیادہ بوجھ نہیں‘ مگر حضرت نے نہ مانا‘ چار گٹھریاں طلبہ کے سروں پر اور ایک اپنے سر پر رکھ کر یہ قافلہ چلا‘ شہر میں آیا اور بازار کے ایک حصے میں سے گزرا‘ ان طلبہ کو تو ممکن ہے کہ سر پر گھاس رکھ کر بازار میں سے گزرنے پر کچھ عار آ رہا ہو‘ لیکن حضرتؒ کی بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ گویا اپنے کو اس بوجھ اٹھانے کا اہل اور مستحق سمجھ کر شہر سے گزر رہے تھے۔ دیہات والے بھی اب جسے پسند نہیں کرتے موصوف کے یہاں وہ بوجھ ایک معمولی بات تھی۔‘‘(۲۷)

قاری محمد طیب ؒ اسی واقعے سے متصل ایک اور واقعہ بھی نقل کرتے ہیں جس میں تواضع‘ خاکساری‘ للّٰہیت‘ شفقت‘ محبت اور حسنِ ادا سب ہی اسباق موجود ہیں‘ قاری صاحبؒ لکھتے ہیں:

’’میرے خسر مولوی محمود صاحب رام پوری فرماتے تھے کہ وہ دیوبند میں طالب علمی کے زمانے میں چھوٹی مسجد میں رہا کرتے تھے‘ جس میں حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا قیام تھا‘ اس زمانے میں طلبہ میں چارپائی کا دستور نہ تھا‘ سادگی اور تواضع سے عموماً طلبہ زمین پر لیٹتے تھے۔ مولوی صاحب باوجود رئیس گھرانے کا ایک فرد ہونے کے عام طلبہ کی طرح فرشِ زمین پر ہی اپنے حجرے میں لیٹا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہند ؒ کا موصوف سے اور رام پور کے اس گھرانے سے بہت گہرا اور مخلصانہ تعلق تھا اور مولوی محمود صاحب مرحوم سے یوں بھی خصوصیت زیادہ تھی۔ ایک دن حضرت شیخ الہند ؒ چھوٹی مسجد میں تشریف لائے اور مولوی محمود صاحب کے حجرے پر گزر ہوا۔ یہ زمین پر فرش بچھائے لیٹے تھے‘ فرمایا: محمود! تیرے پاس چارپائی نہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! چارپائی تو نہیں ہے‘ مجھے زمین پر لیٹنے کی عادت ہوگئی ہے۔ اس سے بہت متاثر ہوئے‘ مگر فرمایا کچھ نہیں۔ اگلے دن دوپہر کا وقت تھا‘ گرمی شدید تھی‘ لو چل رہی تھی کہ مولوی صاحب نے کھڑکی سے دیکھا‘ حضرت اپنے کندھے پر ایک چارپائی لیے خود تشریف لا رہے ہیں‘ وزنی چارپائی ہے مگر اسے سر پر اٹھا رکھا ہے۔ مولوی صاحب صورت حال دیکھتے ہی حجرے سے نکل ننگے سر اور ننگے پیر حضرت کی طرف دوڑے۔ حضرت انہیں بھاگتا ہوا دیکھ کر وہیں سڑک پر کھڑے ہوگئے اور چارپائی زمین پر رکھ دی۔ جب قریب پہنچے تو ایک خاص انداز سے فرمایا: جناب! یہ لے جاؤ اپنی چارپائی‘ مجھ سے نہیں اٹھتی‘ میں بھی شیخ زادہ ہوں‘ مجھ سے یہ چارپائیاں نہیں گھسیٹی جاتیں۔ یہ فرما کر پیٹھ پھیر لی اور گھر روانہ ہوگئے۔ مولوی صاحب کچھ کہنے ہی نہ پائے اور چارپائی اٹھا کر حجرے میں لے آئے‘ گویا انہیں کوئی کلمۂ معذرت بھی نہیں کہنے دیا کہ وہ معنیٔ ثناءِ حسن ہو جاتی۔‘‘(۲۸)

شیخ الہند ؒ: بہ یک وقت اپنے معمول کی پابندی اور طلبہ کی رعایت

قاری محمد طیب صاحب ؒ ہی نقل کرتے ہیں کہ:

’’حضرت نانوتوی ؒ کی وفات کے بعد حضرت شیخ الہند ؒ کی عادت تھی کہ ہر

جمعرات کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضری کے لیے گنگوہ کا سفر پیدل کرتے تھے‘ جمعرات کو چھٹی کا گھنٹہ بجتا‘ اسی وقت سبق سے اٹھ کر گنگوہ کا راستہ لیتے۔ گنگوہ دیوبند سے ۲۲ کوس یعنی ۳۰ میل ہے۔ حضرت اذانِ عصر پر چلتے اور عشاء گنگوہ پڑھ لیتے تھے۔ جمعے کا پورا دن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گزار کر اذانِ عصر کے قریب گنگوہ سے واپس ہوتے اور عشاء دیوبند میں پڑھ لیتے تھے۔ برس ہا برس یہ معمول رہا‘ سردی ہو یا گرمی یہ معمول قضا نہ ہوتا تھا۔

مولوی محمود صاحب کا بیان ہے کہ ایک دن ہم دو تین طلبہ نے اصرار کیا کہ حضرت! ہم بھی ساتھ چلیں گے۔ فرمایا: اچھا‘ مگر اس دن حضرت نے ان طلبہ کی رعایت سے پیدل سفر کرنے کے بجائے ارادہ کیا کہ سفر سواری پر ہو‘ تو کمہار کا ایک ٹٹو کرایہ پر لے لیا اور ارادہ یہ کیا کہ دو تین طلبہ اترتے چڑھتے چلے جائیں گے‘ چنانچہ کمہار ٹٹو لے کر دارالعلوم کے دروازے پر آ گیا۔ حضرت حسبِ معمول اذانِ عصر کے قریب درس سے اٹھے‘ یہ طلبہ بھی حاضر تھے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ: بھائی میاں محمود! پہلے تم سوار ہو‘ پھر باری باری ہم بھی سوار ہوتے رہیں گے۔ انہوں نے حضرتؒ کے سوار ہونے پر اصرار کیا تو حضرتؒ نے نہ مانا اور زبردستی مولوی محمود صاحب کو سوار کر دیا۔ دو طلبہ اور خود حضرت پیچھے پیچھے پیدل روانہ ہوئے‘ بلکہ ایک قمچی لے کر ٹٹو کو ہنکانا بھی اپنے ذمے لے لیا۔

مولوی محمود صاحب فرماتے تھے کہ میں سخت ضیق میں تھا کہ حضرت تو پیچھے پیچھے پیدل ہیں اور میں سوار ہوں‘ مگر مجبور تھا‘ حکم یہی تھا‘ دو چار میل چل کر یہ ٹٹو سے اتر گئے تو حضرتؒ نے زبردستی دوسرے طالب علم کو بٹھا دیا اور خود ٹٹو ہانکتے جا رہے ہیں۔ چار پانچ میل کے بعد دوسرے طالب علم کو چڑھا دیا۔ غرض تیس میل کا سفر پورا طے ہو گیا‘ مگر خود نہیں چڑھے‘ باری باری ان طلبہ کو بٹھاتے رہے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ یہ ٹٹو اپنے لیے کرائے پر نہیں لیا تھا‘ بلکہ ان طلبہ کے لیے شفقۃً لیا گیا تھا۔ جمعے کو واپسی ہوئی تو طلبہ گھبرائے کہ اب پھر وہی معاملہ ہوگا کہ ہم ٹٹو پر سوار ہوں گے اور حضرت پیدل چلیں گے‘ باہم مشورہ ہوا کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے کہ ہم پیدل چلیں اور حضرت کو ٹٹو پر سوار کر دیں۔

مولوی محمود صاحب فرماتے تھے کہ: میں نے کہا: ترکیب تو میں کر دوں گا کہ حضرت پورے راستے ٹٹو سے نہ اتر سکیں‘ مگر ایک دفعہ سوار کر دینا ہے۔ چنانچہ جب

گنگوہ سے روانگی ہوئی تو حسبِ معمول طلبہ پر زور دیا کہ سوار ہو‘ مگر یہ لوگ ایکا کر چکے تھے‘ عرض کیا کہ: حضرت! آتے ہوئے ہم سوار رہے‘ اب واپسی میں یہ نہیں ہوگا‘ حضرت سوار ہوں خواہ پھرا تر لیں‘ مگر ابتدا حضرت ہی کے سوار ہونے سے ہوگی۔

جب یہ سب اکٹھے ہو کر بہ ضد ہوئے تو آخر حضرت نے قبول فرما لیا اور ٹٹو پر سوار ہو گئے۔ طلبہ نے چپکے سے مولوی محمود سے کہا کہ تم اب وہ موعودہ ترکیب کرو کہ حضرت دیوبند تک ٹٹو سے نہ اترنے پائیں‘ چنانچہ مولوی صاحب نے وہ مؤثر نسخہ استعمال کیا کہ جب حضرت سوار ہو گئے تو انہوں نے ٹٹو کے برابر میں آ کر حضرت نانوتوی‘ حضرت حاجی امداد اللہ‘ حضرت حافظ شہید (رحمۃ اللہ علیہم) وغیرہ اکابر کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ حضرت کی عادت تھی کہ ان بزرگوں کا ذکر چھڑتے ہی ان میں محو ہو جاتے تھے اور پھر ادھر اُدھر کی کچھ خبر نہیں رہتی تھی۔

ان حضرات کا ذکر چھڑتے ہی جو حضرت نے ان بزرگوں کے واقعات بیان کرنے شروع کیے تو حضرت کو نہ راستے کی خبر رہی نہ ان طلبہ کی‘ پورے تیس میل کا سفر طے ہو گیا‘ ندی آ گئی جو دیوبند سے تین چار میل کے فاصلے پر ہے۔ ندی دیکھتے ہی حضرت نے گھبرا کر فرمایا کہ اوہو! ندی آ گئی اور یہ کہہ کر ٹٹو سے کود کر اترے۔ فرمایا: بھائی میں نے تم سب کا حق مار لیا‘ لو جلدی سے تم سوار ہو۔ طلبہ نے ہر چند حضرت کے بیٹھنے کا اصرار کیا‘ مگر حضرت تہیہ فرما چکے تھے‘ کسی کی نہیں سنی‘ باری باری ان لوگوں کو بٹھلایا۔ شہر میں داخل ہوئے تو پھر اسی شان سے کہ طلبہ سوار ہیں اور حضرت پیدل ہیں‘ قمچی ہاتھ میں ہے اور ٹٹو ہانک رہے ہیں۔ جس سے طلبہ بچنا چاہتے تھے بالآخر وہی چیز پھر سامنے آ کر رہی۔ سبحان اللہ! بے نفسی اور شفقت کی انتہا ہے۔‘‘(۲۹)

(جاری ہے)

حوالہ جات

(۱) ادریس کاندھلویؒ: سیرۃ المصطفیٰ‘ کراچی: مکتبہ عمر فاروق‘ ۲۰۱۰ء‘ جلد:۱‘ ص:۲۶۳۔

(۲) مسلم بن الحجاج القشیریؒ: الصحیح المسلم‘ کتاب البر و الصلۃ‘ رقم: ۱۲۸۱۔

(۳) عبدالرشید ارشد: بیس بڑے مسلمان‘ لاہور: مکتبہ رشیدیہ‘ ۲۰۰۱ء‘ ص:۲۳۶۔

(٤) *Barbara Metcalf, "The Madrasa at Deoband: A Model for Religious Education in Modern India", Modern Asian Studies, 12, I, [1978], p. 122*

(۵) محمود حسن گنگوہیؒ: ملفوظات فقیہ الامت‘لاھور: مکتبہ مدنیہ‘ ۱۹۹۲ء‘ جلد:۲‘ قسط:۷‘ص:۹۳۔

(۶) عزیز الرحمٰن بجنوریؒ: تذکرۂ شیخ الہندؒ‘ [مرتب: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری]‘ کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام‘ ۲۰۰۷ء‘ص:۱۴۳۔

(۷) محمد زکریا سہارن پوریؒ: آپ بیتی‘ لاہور: مکتبہ الحرمین‘ [س-ن]‘ جلد:۲‘ص:۷۶۰۔

(۸) اشرف علی تھانویؒ: ذکر محمودؒ‘ مشمولہ تذکرہ شیخ الہندؒ‘ص:۵۳۰-۵۳۱۔

(۹) حسین احمد مدنیؒ: مکتوبات شیخ الاسلام‘ کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام‘ ۱۹۹۴ء‘ جلد۲‘ ص:۲۰۰-۲۰۱‘ مکتوب:۶۲۔

(۱۰) محمد یعقوب نانوتویؒ: سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی‘ مشمولہ نادر مجموعہ رسائل جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ‘ کراچی: میر محمد کتب خانہ‘ [س-ن]‘ص:۸۔

(۱۱) میاں اصغر حسینؒ: حیات شیخ الہندؒ‘ لاہور: ادارۂ اسلامیات‘ ۱۹۷۷ء‘ص:۱۶۷۔

(۱۲) عزیز الرحمٰن بجنوریؒ: تذکرۂ شیخ الہندؒ‘ص:۱۵۰۔

(۱۳) میاں اصغر حسینؒ: حیات شیخ الہندؒ۔

(۱۴) عزیز الرحمٰن بجنوریؒ: تذکرۂ شیخ الہندؒ‘ص:۱۵۰۔

(۱۵) ایضاً‘ص:۱۵۱۔

(۱۶) محمود حسن گنگوہیؒ: ملفوظات فقیہ الامت‘ لاہور: مکتبہ مدنیہ‘ ۱۹۸۶ء‘ جلد:۱‘ص:۱۰۶۔

(۱۷) ایضاً۔

(۱۸) المستدرك على الصحيحين‘ بيروت: دار الكتب العلمية‘ كتاب الجهاد‘ جلد۲‘ ص:۸۶‘ رقم:۲۴۰۸۔

(۱۹) عزیز الرحمٰن بجنوریؒ: تذکرۂ شیخ الہندؒ‘ص:۱۵۱-۱۵۳۔

(۲۰) اشرف علی تھانویؒ: ملفوظات حکیم الامتؒ‘ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ‘ ۱۴۳۰ھ‘ جلد:۳‘ صفحہ:۱۲۷‘ ملفوظ:۱۹۳۔

(۲۱) سلیمان بن احمد الطبرانیؒ: المعجم الأوسط‘ قاهره‘ دار الحرمين‘ ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء‘ باب الميم‘ من اسمه محمد‘ محمد بن عثمان بن أبی شيبة‘ جلد:۵‘ صفحه:۳۵۶‘ رقم: ۵۵۴۱۔

(۲۲) عزیز الرحمٰن بجنوریؒ: تذکرۂ شیخ الہندؒ‘ صفحہ:۱۵۰۔

(۲۳) حسین احمد مدنیؒ: سفرنامہ شیخ الہندؒ‘ لاہور‘ مکتبہ محمودیہ‘ ۱۹۷۷ء‘ صفحہ:۱۵۹۔

(۲۴) عزیز الرحمٰن بجنوریؒ: تذکرۂ شیخ الہندؒ‘ صفحہ:۱۶۸۔

(۲۵) حسین احمد مدنیؒ: سفرنامہ شیخ الہندؒ‘ صفحہ:۱۵۹۔

(۲۶) قاری محمد طیبؒ: پچاس مثالی شخصیات‘ مشمولہ مجموعہ رسائل حکیم الاسلام (مرتب: محمد عمران قاسمی بگیانوی)‘ مردان‘ مکتبۃ الاحرار‘ ۲۰۱۱ء‘ جلد:۷‘ صفحہ:۴۲۲۔

(۲۷) ایضاً‘ صفحات:۴۲۲-۴۲۳۔

(۲۸) ایضاً‘ صفحہ:۴۲۳۔

(۲۹) ایضاً‘ صفحہ:۴۲۴-۴۲۵۔

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی فکر انگیز تالیفات

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل و مدارج اور لوازم

منہجِ انقلابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مجلد 400 روپے، غیر مجلد 200 روپے

سیرت مطہرہ کے دل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ

سیرتِ خیرُ الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

صفحات 240، قیمت 180 روپے

نظرِ بد اور اس کا علاج

فرید بن مسعود☆

اس کائنات کا ہر کام اللہ عزوجل کے حکم کے تابع ہے' یہاں تک کہ ایک پتے کی حرکت بھی اسی کے اذن پر موقوف ہے۔ اس کائنات کا ہر ہر واقعہ اللہ کا مقدر کیا ہوا ہے اور ہم جن حوادث سے اس دنیا میں دوچار ہوتے ہیں' وہ سب اللہ کے لکھے ہوئے ہیں' بفحوائے قرآنی:

﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝۵۱﴾ (التوبۃ)

''(اے نبیﷺ!) آپ فرما دیجیے ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر فرمایا ہے' وہ ہمارا مالک ہے' اور تمام مسلمانوں کو اپنے سب کام اللہ کے سپرد رکھنے چاہئیں۔''

اسی بات کو جناب نبی کریمﷺ نے بایں الفاظ بیان کیا:

((وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَیْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ ، رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ)) (۱)

''اور اگر وہ سارے (دنیا والے) مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے' قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے۔''

اسی طرح متکلمین اسلام نے فلاسفہ کے علت ومعلول کے نظریے کا رد کرنے کے لیے نظریہ **الجزء الذی لا یتجزأ** تشکیل دیا' جس کے مطابق کسی چیز میں علت ہونے کے اعتبار سے کوئی ذاتی تاثیر نہیں ہے اور کائنات کی ہر حرکت میں اللہ تعالیٰ کا تخلیقی عمل مسلسل کارفرما ہے' جسے وہ **دوام التجدّد و دوام الانعدام** سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی ظواہر میں یہ دنیاوی

☆ معاون تحقیق' مرکز تعلیم وتحقیق' قرآن اکیڈمی یٰسین آباد' کراچی

نظامِ اسباب اور علل کے اثر سے ہی چلتا ہے اور اعمال و احکامِ شریعت بھی انہی اسباب وعلل سے متعلق ہیں۔

دنیاوی آفات وعوارض بھی کسی نہ کسی علت کے تحت وارد ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں دفع مضرات کے لیے اسباب اختیار کرنا ہرگز توکل کے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ﴾ (الانفال:۶۰)

''اور ان کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت (ہتھیار) سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعہ سے تم (رعب) جمائے رکھو ان پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں' اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی' جن کو تم (بالیقین) نہیں جانتے' ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ حضرت داؤدؑ پر اپنے ایک انعام کا تذکرہ فرماتے ہیں:

﴿وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ﴾ (الانبیاء:۸۰)

''اور (دیکھو) ہم نے داؤد کو تمہارے لیے زرہ بکتر بنانا سکھا دیا کہ تمہیں ایک دوسرے کی زد سے بچائے۔''

تو ظاہر ہوا کہ جنگ میں دشمنوں سے پہنچنے والی مصیبتوں سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کو اسباب اختیار کرنے کا طریقہ بتایا۔

اسی طرح بعض مصائب جسمانی ہوتے ہیں جنہیں امراض کہا جاتا ہے۔ حضور اکرمﷺ نے ہمیں اس بارے میں یہ تعلیم فرمائی کہ:

((لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ ، فَاِذَا اُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَاَ بِاِذْنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ)) (۲)

''ہر بیماری کی دوا ہے' لہٰذا جب وہ بیماری کے موافق ہو جاتی ہے تو بیمار اللہ کے حکم یعنی اس کی مشیت وارادہ سے اچھا ہو جاتا ہے۔''

جدیدیت نے انسان کی نظر محض ظواہر پر محدود کر دی اور اسباب میں سے بھی صرف ظاہری اور مادی اسباب پر ہی اس کی نظر جا رکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتے ہیں کہ بعض غیر مادی اسباب بھی اس کائنات میں داخل ہیں اور واقعات و حادثات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور بعض مذہبی حلقے بھی جادو اور جنات کے اثرات وغیرہ کے حوالے

سے تردّد اور تشکیک کا شکار ہیں' یہاں تک کہ بعض لوگ تو تضحیک تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان غیر مادی مؤثر چیزوں میں ایک چیز حسد بھی ہے۔ حسد بھی واقعات و حادثات پر اسی طرح اثر انداز ہوتا ہے جس طرح دیگر مادی چیزیں مؤثر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حاسد کے شر سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے: ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵﴾ (الفلق) ''اور (میں پناہ لیتا ہوں) ہر حسد کرنے والے کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے۔''

حسد کی ایک خاص قسم نظر بد ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے:

((اَلْعَیْنُ حَقٌّ وَیَحْضُرُ بِهَا الشَّیْطَانُ وَحَسَدُ ابْنِ آدَمَ)) (۳)

''نظر کا لگنا برحق ہے' اور شیطان اس وقت موجود ہوتا ہے اور انسان حسد کرتا ہے۔''

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'بدائع الفوائد' میں نظر بد کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک تیر ہے جو حاسد یعنی نظر لگانے والے کے نفس سے نکلتا ہے اور محسود یعنی جس پر نظر لگتی ہے اس کی طرف جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ تیر لگ جاتا ہے اور بعض مرتبہ یہ خطا ہو جاتا ہے۔ اگر یہ تیر ایسی حالت میں لگے کہ نفس کھلا ہو اور کوئی حفاظت کا سامان نہ ہو تو لازماً یہ اثر کرتا ہے۔ اور اگر یہ نفس کو اس حالت میں لگے کہ وہ حفاظتی سامان سے لیس ہو تو یہ اس میں نہیں گھستا اور کوئی اثر نہیں کرتا' بلکہ کئی دفعہ تو یہ تیر خود پھینکنے والے کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ ملا علی قاریؒ شرح مشکاۃ میں لکھتے ہیں کہ اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ نظر لگانے والے شخص کی نگاہ سے جو کوئی چیز ہلاک ہو جاتی ہے یا اس میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے' وہ اللہ کے اس فعل کی وجہ سے جو اُس نے عادت بنا دی ہے کہ عائن (نظر لگانے والے) کی نظر پڑنے پر ضرر پیدا ہو گا۔

بعض عقل پرست اور جدید لوگ اس کو توہمات سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ امام ابن القیمؒ ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ لوگ سماعت اور عقل کے لحاظ سے جاہل ترین لوگ ہیں اور ان کی عقل پر سب سے موٹا حجاب پڑا ہوا ہے' اور ان کی طبیعتیں سب سے کثیف ہیں اور یہ لوگ نفس اور روح کی معرفت' صفات' افعال اور تاثیر کے علوم سے سب سے زیادہ دور ہیں۔ امام ابن حجر العسقلانیؒ نے فتح الباری' شرح بخاری میں نظر لگنے کے کئی واقعات اور ان کی کیفیات نقل کر کے ایسے لوگوں کا رد کیا ہے۔ ابن حجرؒ امام خطابیؒ سے ایک حدیث ((لِلْعَیْنِ تَأْثِیْرًا فِی النُّفُوْسِ)) (۴) ''نظر بد کی تاثیر نفوس کے اندر تک ہے'' نقل کر کے فرماتے ہیں کہ

اس حدیث سے ان سائنس دانوں پر رد ہوتا ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ کوئی چیز ایسی نہیں جس کا حواسِ خمسہ ادراک نہ کر لیں' اور اگر اس کے علاوہ کوئی چیز ہے بھی تو اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

نظر لگنے کے لیے نظر لگانے والے شخص یعنی عائن کا چھونا یا سامنے ہونا ضروری نہیں ہے۔ امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ کبھی نظر اتصال کی وجہ سے لگ جاتی ہے' کبھی آمنا سامنا ہونے سے' کبھی صرف ایک نگاہ پڑنے سے' کبھی روحانی طور پر اس شخص کی طرف متوجہ ہونے سے' کبھی کچھ منتر وغیرہ پڑھنے سے اور کبھی صرف تخیل سے بھی نظر لگ جاتی ہے۔ بعض مسلم فلاسفہ نے یہ بھی کہا ہے کہ نظر میں سے ایک غیر مرئی زہر نکلتا ہے اور بعض کے مطابق ایک لطیف مادہ نکلتا ہے جو مسامِ جسم کے ذریعے جسم میں داخل ہو کر نقصان پہنچاتا ہے۔ البتہ یہ رائے کمزور ہے' کیونکہ اندھے شخص کی بھی نظر لگ جاتی ہے اور اسی طرح امام ابن القیمؒ کی بیان کردہ صورتیں بھی اس رائے کی تردید کرتی ہیں۔

امام ابن قیمؒ مزید لکھتے ہیں کہ اس کی اصل' نظر لگانے والے کا کسی چیز کی اچھائی سے متاثر ہونا ہوتا ہے' پھر اس کے پیچھے اس شخص کے نفس کی ایک خبیث کیفیت لگ جاتی ہے۔ پھر وہ اس شخص کی نظر کے ذریعے اپنا زہر ایک معین شخص میں سرایت کر دیتی ہے۔ بعض اوقات وہ نظر لگانے والا شخص اس محسود کا خود تعین کر رہا ہوتا ہے اور بعض اوقات بلا ارادہ کوئی شخص معین ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انسان کئی مرتبہ غیر ارادی طور پر خود اپنے آپ کو بھی نظر لگا رہا ہوتا ہے۔ امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

وَقَدْ یَعِیْنُ الرَّجُلُ نَفْسَهُ ، وَقَدْ یَعِیْنُ بِغَیْرِ اِرَادَتِهِ (۵)

''کئی مرتبہ انسان خود اپنے آپ کو نظر لگا دیتا ہے اور کبھی کبھی بغیر ارادہ نظر لگا دیتا ہے۔''

انسانوں کے علاوہ جنات کی نظر بھی لگ جاتی ہے۔ اس کو عربی میں اَلْعَیْن کے بجائے اَلنَّظْرَة کہا جاتا ہے۔ حضرت اُمّ سلمۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ رَاٰی فِیْ بَیْتِهَا جَارِیَةً فِیْ وَجْهِهَا سَفْعَةٌ فَقَالَ: ((اسْتَرْقُوْا لَهَا فَاِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ)) (۶)

رسول اللہ ﷺ نے ان کے گھر میں ایک لڑکی کو دیکھا جس کے چہرے پر نشان تھے' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو جھاڑ پھونک کرو' اس لیے کہ اس کو نظر لگ گئی ہے۔''

چونکہ یہ معاملہ اس قدر حیرت انگیز ہے اسی لیے جناب نبی کریم ﷺ نے بہت تاکید سے اس بارے میں بیان فرمایا: ((اَلْعَیْنُ حَقٌّ)) (۷) ''نظر کا لگنا برحق ہے''۔ اللہ تعالیٰ جناب رسول اللہ ﷺ کو کفار کی نظر بد سے خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِهِمْ﴾ (القلم:۵۱)

''اور کافر تو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنی بدنظر لگا کر آپ کو ضرور گرا دیں گے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ یہ کفار اپنی تیز نگاہوں سے آپ کو نظر بد لگا دیں۔ اس کی تاثیر کو بیان کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ کَانَ شَیْءٌ سَابِقَ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَیْنُ)) (۸)

''اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے سکتی ہے تو وہ نظر بد ہے۔''

جبکہ اس کی ہلاکت خیزی اتنی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَکْثَرُ مَنْ یَمُوْتُ مِنْ اُمَّتِیْ بَعْدَ قَضَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَقَدْرِهٖ بِالْاَنْفُسِ یَعْنِی بِالْعَیْنِ)) (۹)

''میری اُمت میں قضا وقدر کے بعد اکثر موت نظر لگنے سے ہوگی۔''

اور فرمایا:

((اَلْعَیْنُ تَدْخُلُ الرَّجُلَ الْقَبْرَ وَتَدْخُلُ الْجَمَلَ الْقِدْرَ)) (۱۰)

''نظر بد انسان کو قبر تک اور اونٹ کو ہانڈی تک پہنچا دیتی ہے۔''

اس کی قوت کے بارے میں فرمایا:

((تَسْتَنْزِلُ الْحَالِقَ)) (۱۱)

''یہ انسان کو اونچے پہاڑ سے نیچے گرا سکتی ہے۔''

ایک روایت میں حضور نبی کریم ﷺ کا معمول بیان کیا جاتا ہے کہ:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِّ وَعَیْنِ الْاِنْسَانِ (۱۲)

''رسول اللہ ﷺ جنوں اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے۔''

حضور کریم ﷺ اپنے گھر والوں کو بھی ان زہریلے تیروں سے محفوظ رکھنے کا اہتمام فرماتے۔ آپ ﷺ جناب حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو نظر بد سے بچانے کے لیے یہ کلمات پڑھ کر دم کیا کرتے تھے کہ:

((اُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّةٍ)) (۱۳)

''میں تم دونوں کو اللہ کی صفاتِ کاملہ کی پناہ میں دیتا ہوں' ہر شیطان اور ہر غم سے اور ہر قسم کی نظر بد سے۔''

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

((هٰکَذَا کَانَ اِبْرٰهِیْمُ یُعَوِّذُ اِسْحَاقَ وَاِسْمَاعِیْلَ)) (۱۴)

''سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی اسی طرح اپنے دونوں بیٹوں حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو نظر بد سے بچانے کا دم کیا کرتے تھے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَاْمُرُنِیْ اَنْ اَسْتَرْقِیَ مِنَ الْعَیْنِ (۱۵)

''رسول اللہ ﷺ مجھے نظر بد سے دم کرانے کا حکم دیتے تھے۔''

یہی وجہ تھی کہ جناب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو مصر جاتے وقت یہ ہدایت فرمائی کہ ﴿یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾ (یوسف:۶۷) ''اے میرے بیٹو! دیکھو (جب مصر پہنچو تو شہر کے) ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا' بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا''۔ اس کی تفسیر میں امام ابن کثیر نقل کرتے ہیں:

فانه كما قال ابن عباس ومحمد بن كعب ومجاهد والضحاك وقتادة والسدى: انه خشى عليهم العين، وذلك انهم كانوا ذوى جمال وهيئة حسنة ..... فخشى عليهم ان يصيبهم الناس بعيونهم (۱۶)

''جیسا کہ ابن عباسؓ' محمد' مجاہد' ضحاک' قتادہ اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ ان کو نظر لگ جانے کے حوالے سے خوفزدہ تھے' کیونکہ ان کے بیٹے خوبصورت اور اچھی ہیئت والے تھے..... تو ان کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں لوگ ان کو اپنی نظروں سے مصیبت نہ پہنچا دیں۔''

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب جحفہ میں شعب خزار میں پہنچے تو حضرت سہل بن حنیفؓ غسل کے ارادے سے نکلے

جو بڑے حسین وجمیل جسم کے مالک تھے۔ دورانِ غسل عامر بن ربیعہؓ کی نظر ان کے جسم پر پڑی اور وہ کہنے لگے کہ میں نے آج تک ایسی حسین جلد نہیں دیکھی۔ یہ کہنے کی دیر تھی کہ حضرت سہلؓ گر پڑے۔ ایک آدمی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! سہلؓ کا کچھ کیجیے' واللہ وہ تو سر اٹھا رہا ہے اور نہ اسے ہوش ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم کس پر اس کا الزام لگاتے ہو؟'' لوگوں نے بتایا کہ انہیں عامر بن ربیعہؓ نے دیکھا تھا۔ نبی ﷺ نے عامر کو بلا کر انہیں سخت سست کہا اور فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ جب اسے کوئی تعجب خیز چیز نظر آتی ہے تو وہ اس کے لیے برکت کی دعا کیوں نہیں کرتا!'' پھر ان سے اپنے اعضاء دھونے کے لیے فرمایا۔ انہوں نے ایک پیالے میں اپنا چہرہ' ہاتھ' کہنیاں' گھٹنے' پاؤں کے حصے اور تہبند کے اندر سے دھویا۔ پھر حکم دیا کہ یہ پانی سہلؓ پر بہایا جائے' وہ اس طرح کہ ایک آدمی اس کے سر پر پانی ڈالے' پھر پیچھے سے کمر پر ڈالے اور اس کے بعد پورا پیالہ اس پر انڈیل دے۔ جب اس کے مطابق کیا گیا تو حضرت سہل لوگوں کے ساتھ اس طرح چلنے لگے جیسے انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔''(۱۷)

اس واقعے کی شرح میں امام ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں:

وأنّ العين تكون مع الإعجاب ولو بغير حسد ولو من الرجل المحب ومن الرجل الصالح (۱۸)

''بیشک نظر بد لگنا پسندیدگی کے ساتھ ہی ہوتا ہے' چاہے بغیر حسد کے ہی کیوں نہ ہو' یہاں تک کہ کسی محبت کرنے والے اور کسی نیک شخص سے بھی نظر لگ سکتی ہے۔''

اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہر وقت اس سے بچاؤ کے لیے ہتھیار سے لیس ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ہمیشہ اللہ کی پناہ حاصل کرنی چاہیے اور مسنون اذکار کا ورد کرنا چاہیے' تاکہ یہ تیر ہم تک نہ پہنچیں۔ ان مسنون اذکار و اوراد میں معوذتین' سورۃ الاخلاص' سورۃ الفاتحہ اور آیت الکرسی وغیرہ شامل ہیں۔

ان کے علاوہ حضور اکرم ﷺ سے منقول بعض کلمات اور دعائیں بھی اپنے وظائف میں شامل رکھنی چاہئیں' ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ)) (۱۹)

''میں اللہ کی مکمل تام صفات کے ذریعے ان تمام چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں

جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے۔''

((بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ، وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ)) (۲۰)

''اللہ کے نام سے جس کے نام کے ساتھ آسمان وزمین کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی' اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

اس نظر لگنے کے عمل میں شیطان حاضر ہوتا ہے' اس لیے اس دعا کا بھی ورد کرنا چاہیے:

﴿رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾﴾ (المؤمنون)

''اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے' اور اے میرے رب! میں پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آئیں۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَن رَأَى شَيْئًا فَاَعْجَبَهُ، فَقَالَ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، لَمْ يَضُرَّهُ الْعَيْنُ)) (۲۱)

''تم میں سے جو شخص کوئی چیز دیکھے اور اسے وہ پسند آئے تو چاہیے کہ پڑھے: مَاشَاءَ اللّٰهُ، لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، ایسا کرنے سے نظر بد اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔''

امام مالکؒ کا معمول بیان کیا جاتا ہے:

كَانَ مَالِك اِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ يَقُوْلُ: مَا شَاءَ اللّٰهُ! قُلْتُ لِمَالِك :لِمَ تَقُوْلُ هٰذَا؟ قَالَ :اَلَا تَسْمَعُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَقُوْلُ :﴿وَلَوْلَا اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾(۲۲)

''امام مالکؒ جب اپنے گھر میں داخل ہوتے تو ماشاء اللہ کہتے۔ راوی کہتا ہے میں نے دریافت کیا آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا: ''اور کیوں ایسا نہ ہوا کہ جب تو باغ میں داخل ہوا تو تو کہتا: ''وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں۔''

بعض تابعین کا معمول بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے گھروں کے دروازے پر ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ لکھوایا کرتے تھے۔''(۲۳)

چونکہ نظر محاسن کو دیکھ کر ہی لگتی ہے اس لیے بہتر ہے کہ اپنے محاسن کو بہت ظاہر نہ کیا جائے۔ امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ نظر بد کے علاج اور احتراز میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے ان محاسن کو چھپایا جائے جن پر نظر لگنے کا خوف ہو۔ امام بغویؒ اپنی 'شرح السنۃ' میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ:

رُوِیَ اَنَّ عُثْمَانَ رَأَی صَبِیًّا مَلِیْحًا، فَقَالَ : دَسِّمُوْا نُوْنَتَهٗ کَیْ لَا تُصِیْبَهُ الْعَیْنُ (۲۴)

''روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک بہت خوبصورت بچہ دیکھا تو فرمایا: اس کے گال پر کالا نشان ڈال دو تا کہ اس کو نظر نہ لگے۔''

خاص طور پر بچوں کی حفاظت زیادہ کرنی چاہیے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ الْعَیْنَ أَسْرَعُ اِلَی الصِّغَارِ (۲۵)

''بے شک بچوں کو زیادہ جلدی نظر لگ جاتی ہے۔''

اس کے لیے قرآنی آیات اور مسنون اوراد لکھ کر تعویذ کی صورت میں بچوں کے گلے میں ڈالے جا سکتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

اَلتَّمَائِمُ مَا عُلِّقَ قَبْلَ نُزُوْلِ الْبَلَاءِ، وَمَا عُلِّقَ بَعْدَهٗ فَلَیْسَ بِتَمِیْمَةٍ (۲۶)

''تمائم (جن لٹکائی جانے والی چیزوں سے منع کیا گیا ہے) وہ ہیں جن کو مصیبت آنے سے قبل لٹکایا جائے' ہاں جو مصیبت پڑنے کے بعد لٹکایا جائے وہ تمیمہ نہیں ہے۔''

اور

لَا بَأْسَ بِتَعْلِیْقِ التَّعْوِیْذِ مِنَ الْقُرْآنِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْبَلَاءِ وَبَعْدَ نُزُوْلِ الْبَلَاءِ (۲۷)

''مصیبت پڑنے سے پہلے یا مصیبت پڑنے کے بعد قرآن میں سے کوئی تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا معمول نقل کیا جاتا ہے کہ:

وَکَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو یُلَقِّنُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ وَلَدِهٖ وَمَنْ لَمْ یَبْلُغْ مِنْهُمْ کَتَبَهَا فِیْ صَكٍّ ثُمَّ عَلَّقَهَا فِیْ عُنُقِهٖ (۲۸)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما خود بھی اپنے بچوں کو جو بلوغ کی عمر کو پہنچ جاتے یہ دعا

سوتے وقت پڑھنے کے لیے سکھایا کرتے تھے' اور وہ چھوٹے بچے جو اسے یاد نہیں کر سکتے تھے ان کے گلے میں لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔''

اس کے علاوہ امام ابن ابی شیبہؒ نے اپنی کتاب المصنف میں کتاب الطب کے اندر **مَنْ رَخَّصَ فِیْ تعلیق التعاویذ** کے عنوان سے پورا باب قائم کیا ہے' جس میں انہوں نے صحابہ اور تابعینؒ سے اس طرح تعویز لٹکانے کی روایات نقل کی ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے مجموعۂ فتاویٰ میں سے ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

وَیَجُوْزُ اَنْ یَکْتُبَ لِلْمُصَابِ وَغَیْرِهٖ مِنَ الْمَرْضٰی شَیْئًا مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ وَذِکْرُهٗ بِالْمِدَادِ الْمُبَاحِ وَیُغْسَلُ وَیُسْقٰی (۲۹)

''جائز ہے کہ جس شخص پر کوئی مصیبت پڑ جائے جیسے بیماری وغیرہ کہ کتاب اللہ یا اللہ کے ذکر میں سے کوئی چیز مباح روشنائی سے لکھی جائے اور پھر دھو کر پلایا جائے۔''

اس کے ذیل میں وہ اس عمل کے بارے میں صحابہؓ کے وظائف نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ اثر نقل کرتے ہیں کہ:

قَالَ عَلِیٌّ: یُکْتَبُ فِی کاغذة فَیُعَلَّقُ عَلَی عَضُدِ الْمَرْأَةِ ، قَالَ عَلِیٌّ : وَقَدْ جَرَّبْنَا هُ فَلَمْ نَرَ شَیْئًا أَعْجَبَ مِنْهُ

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کسی کاغذ پر لکھا جائے اور اسے حاملہ عورت کے کندھے پر لٹکایا جائے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا تجربہ کیا ہے اور ہم نے اس سے زیادہ عجیب چیز اور کوئی نہیں دیکھی۔''

بعض افراد ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بارے میں معروف ہو جاتا ہے کہ ان سے لوگوں کو نظر لگ جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں' نظر بد کی سنگینی دیکھتے ہوئے اسلاف نے بہت شدید موقف اختیار کیا ہے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

من عرف بالإصابة بالعین منع من مداخلة الناس دفعًا لضرره، وقد قال بعض العلماء :یأمره الإمام بلزوم بیته، وإن کان فقیرًا رزقه ما یقوم به، ویکف أذاه عن الناس (۳۰)

''جس شخص کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ اس سے اکثر نظر لگ جاتی ہے اس کو لوگوں میں گھلنے ملنے سے روکا جائے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ حاکم اس کو گھر میں رکے

رہنے کا حکم دے۔ اگر وہ تنگدست ہو تو حاکم اسے گزاران کے لائق رزق خود فراہم کرے اور اس کی اذیت سے لوگوں کو محفوظ رکھے۔''

اسی طرح کا قول امام ابن القیمؒ کا بھی ہے۔ قاضی عیاضؒ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں:

فضرره أشد من ضرر آكل الثوم والبصل الذى منعه النبى ﷺ دخول المسجد، ومن ضرر المجذوم الذى منعه عمر والعلماء بعدم الاختلاط بالناس، ومن ضرر المؤذيات من المواشى التى يؤمر بتغريبها(۳۱)

''کیونکہ اس کا ضرر لہسن اور پیاز کھانے والے کے ضرر سے زیادہ ہے جسے حضور ﷺ نے مسجد میں داخل ہونے سے منع کیا، اور جزام کے مریض سے بھی زیادہ ہے جسے حضرت عمرؓ اور دیگر علماء نے لوگوں میں گھلنے ملنے سے منع کیا، اور راستے کی اذیت والی اشیاء سے بھی زیادہ ہے جن کو دور کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔''

البتہ اگر نظر لگ ہی جائے اور شخص معین معلوم ہو تو وہ طریقہ اپنانا چاہیے جو اوپر حضرت سہل بن حنیفؓ کی حدیث میں بیان ہوا ہے۔ جس طرح جسمانی امراض کے لیے بھی ہم مسنون طب اور ادعیہ ماثورہ کے علاوہ مجرب علاج اور ماہر اطباء کی جانب رجوع کرتے ہیں اسی طرح روحانی طبیبوں سے بھی نظر بد سے بچنے، اور نظر لگنے کی صورت میں اس سے نجات حاصل کرنے کے مجرب طریقوں کی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اس معاملے میں بھی جس طرح ہم جعلی ڈاکٹروں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں، روح کے علاج کے لیے بھی جعلی عاملوں سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے! آمین!!

حواشی

(۱) سنن الترمذی، ابواب صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَوَانِي الْحَوْضِ۔

(۲) صحيح مسلم، كِتَاب السَّلَامِ، بَاب لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ وَاسْتِحْبَابِ التَّدَاوِي

(۳) مسند احمد، مُسْنَدُ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ۔

(٤) فتح الباری شرح صحیح البخاری، باب رقیة العین۔

(٥) زاد المعاد فی هدی خیر العباد، کتاب طب النبوی، فصل فی هَدْيِهِ ﷺ فی العلاج بالأدوية الروحانية الإلهية المفردة، والمركّبة منها، ومن الأدوية الطبيعية۔

(٦) صحیح البخاری، کتاب الطب، باب رقیة العین۔

(۷) صحیح البخاری، بَاب الْوَاشِمَةِ، كِتَاب اللِّبَاسِ۔

(۸) سنن الترمذی، ابواب الطب عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ وَالْغُسْلُ لَهَا۔

(۹) کنزالعمال فی سنن الأقوال والأفعال، کتاب الطب والرقی والطاعون من قسم الأقوال، الباب الثانی فی الرقی۔

(۱۰) کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، کتاب السحر والعین والکهانة من قسم الأقوال، الفصل الثانی: فی العین۔

(۱۱) مسند احمد، مسند عبد اللّٰہ بن العباس رضی اللہ عنہما۔

(۱۲) سنن الترمذی، ابواب الطب عن رسول اللّٰہ ﷺ، بَاب مَاجَاءَ فِي الرُّقْيَةِ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔

(۱۳) سنن الترمذی، ابواب الطب عن رسول اللّٰہ ﷺ، بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ۔

(۱٤) سنن الترمذی، ابواب الطب عن رسول اللّٰہ ﷺ، بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ۔

(۱٥) صحیح مسلم، ابواب السَّلَامِ، بَاب اسْتِحْبَابِ الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ وَالنَّمْلَةِ وَالْحُمَةِ وَالنَّظْرَةِ۔

(۱٦) تفسیر ابن کثیر، یوسف:٦٧۔

(۱۷) مسند احمد، مسند المکیین، حدیث سهل بن حُنیف۔

(۱۸) فتح الباری، شرح صحیح البخاری، باب العین حق۔

(۱۹) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فی التعوذ من سوء القضاء ودرك الشقاء وغیره

(۲۰) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب ما یقول اذا أصبح۔

(۲۱) عمل الیوم واللیلة لابن السُّنّی، باب ما یقول اذا رأی من نفسه ومالهٖ ما یعجبه۔

(۲۲) روح المعانی، الکهف:٣٩۔

(۲۳) تفسیر قرطبی، الکهف:٣٩۔

(۲٤) شرح السنة، کتاب الطب والرُّقی، باب ما رُخِّص فیه من الرقی۔

(۲٥) تفسیر قرطبی، یوسف: ٦٧

(۲٦) المستدرك علی الصحیحین، کتاب الرقی والتمائم۔

(۲۷) جامع الأحادیث للسیوطی وکنزالعمال، کتاب الطب والرقی والطاعون من قسم الاقوال، الباب الثانی: فی الرقی، رواه عن دیلمی وابی نعیم۔

(۲۸) سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب القول عند الفزع من النوم۔

(۲۹) مجموع الفتاوی، الجزء ١٩، ایضاح الدلالة علی عموم الرسالة، فصل فی جواز ان یکتب للمصاب وغیره۔

(۳۰) تفسیر قرطبی، یوسف: ٦٧۔

(۳۱) اکمال المعلم شرح صحیح مسلم، کتاب السلام، باب السحر۔

❀❀❀

دورِ حاضر میں نظامِ خلافت کے امکانات اور اس کا طریقۂ کار

بسلسلہ ''نظامِ خلافت: کیا؟ کیوں؟ کیسے؟'' (۹)

شجاع الدین شیخ ☆

خطباتِ خلافت کے سلسلے میں آج کا موضوع ہے: ''دورِ حاضر میں نظامِ خلافت کے امکانات اور اس کا طریقۂ کار''۔ یہ موضوع دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اول یہ کہ دورِ حاضر میں نظامِ خلافت کے برپا ہونے کا کوئی امکان ہے' یعنی اللہ کی حاکمیت کا برپا ہونا اور اللہ کے عطا کردہ عادلانہ نظام جو کہ دین اسلام کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے' اس کے قائم ہونے کا آج کے دور میں امکان کا ہونا اور دوم یہ کہ موجودہ دور میں اس کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟

اگر صرف ظاہری اسباب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو دنیا میں ۶۰ کے لگ بھگ مسلم ممالک ہیں اور ان ممالک سمیت غیر مسلم دنیا میں ڈیڑھ ارب کے لگ بھگ مسلمان آباد ہیں۔ گویا کرۂ ارضی پر ہر چوتھا شخص مسلمان ہے اور مسلم ممالک معدنی ذخائر اور تیل کی دولت سے مالا مال ہیں۔ عرب مسلمانوں کے پاس بلینز آف ڈالرز موجود ہیں جو مسلم ممالک کے بیرونی قرضوں سے کئی گنا زیادہ ہیں' لیکن یہ ڈالرز یہودیوں کے بینکوں میں رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس ٹیلنٹ موجود ہے جو مسلم ممالک میں ظلم و جبر کی وجہ سے باہر ایکسپورٹ ہو جاتا ہے اور دنیا کے دیگر ممالک کے لوگ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ آج ہم مذہبی ممالک میں منقسم ہیں۔ فرقہ واریت کا شکار بھی ہیں اور نسلی تعصّبات بھی ہمارے ہاں موجود ہیں۔ مسلم ممالک میں بدترین ملوکیتیں بھی قائم ہیں' کرپشن اور لوٹ کھسوٹ بھی موجود ہے۔ گویا ہر طرف تاریکیاں ہی تاریکیاں ہیں' بظاہر مایوسیاں ہی مایوسیاں ہیں۔ ان حالات میں جب یہ بات کہی جاتی ہے کہ خلافت کا

☆ امیر تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی

نظام قائم ہوگا' اللہ کی حاکمیت کا نفاذ ہوگا' اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قانون اور عادلانہ نظام کا نفاذ ہوگا اور وحی الٰہی کے تابع ہو کر لوگ زندگی بسر کر سکیں گے' ہر گھر میں اسلام داخل ہوگا اور اسلام کی بالادستی کرۂ ارضی پر ہوگی' تو ان باتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اس ضمن میں تبصرے یوں کیے جاتے ہیں کہ دماغ خراب ہو گیا ہے' پاگلوں جیسی باتیں کرتے ہیں۔ سرپھرے اور دقیانوس قسم کے لوگ ہیں جو آج کے دور میں اسلام کے غلبے کی باتیں کرتے ہیں۔ یہ اپنوں کے تبصرے ہیں۔ یہ لوگ' اگرچہ کہہ تو غلط رہے ہیں' لیکن دوسری طرف حق بجانب بھی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ کی کتاب کے دلائل اور محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سامنے نہ ہوں تو وہ یہی باتیں کریں گے۔

الغرض اگر قرآن اور احادیث کی وضاحتیں سامنے نہ ہوں اور اس دور کے حالات پر اقتباسات سامنے نہ ہوں تو یہ بات کہنے میں شاید لوگ حق بجانب ہوں کہ آپ کیا بیکار کی باتیں کرتے ہیں؟ یہ مسلمان ایک دوسرے کے پیچھے نماز تو ادا کر نہیں سکتے' جبکہ آپ کہتے ہیں کہ اسلام غالب ہو جائے گا۔ جس ملک کو اسلام کے نام پر لیا' اسے قائم ہوئے ۶۸ برس بیت گئے' یہاں اسلام تو نافذ نہیں ہوا اور آپ نظامِ خلافت نافذ کرنے چلے ہیں۔

نظامِ خلافت کے امکانات

آیئے قرآن سے پوچھتے ہیں اور احادیث مبارکہ سے معلوم کرتے ہیں کہ کیا ایسا ممکن ہے؟ اس حوالے سے یہ دیکھئے کہ ایسا پہلے دورِ نبوی میں بھی ہوا۔ اسی قسم کے تبصرے منافقین بھی کیا کرتے تھے۔ غزوۂ احزاب کا موقع تھا۔ مدینے کے مسلمانوں کے محاصرے کے لیے بارہ ہزار کا لشکر آن پہنچا تھا۔ جبکہ مسلمانوں کی کل آبادی ڈھائی تین ہزار کی تھی جن میں ایمان کے دعویدار جھوٹے منافقین بھی شامل تھے۔ ان کی قوت کو ختم کرنے کے لیے بارہ ہزار کا لشکر آیا تھا۔ اپنے دفاع کے لیے مسلمانوں نے خندق کھودی تھی۔ منافقین نے اس وقت کہا کہ ہمیں بڑے سبز باغ دکھائے گئے تھے۔ آج اس محاصرے کی وجہ سے ہمیں رفع حاجت کے لیے باہر جانے کا بھی موقع نہیں' جبکہ ہمیں تو بڑی بڑی بشارتیں دی گئیں تھیں ـــــ واقعتاً حضور اکرم ﷺ نے بشارتیں دی تھیں۔ ایسی حالت میں کہ بارہ ہزار کا لشکر مدینہ کا محاصرہ کیے ہوئے ہے' رسول اللہ ﷺ خندق کھودنے کے لیے کدال چلا رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ایک چٹان نہیں ٹوٹی تو وہ حضور ﷺ سے درخواست کے لیے آئے۔ آپ ﷺ اللہ اکبر کہہ کر کدال چلاتے ہیں اور چٹان ٹوٹ جاتی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے شام کی کنجیاں دے

دی گئیں۔ دوبارہ اللہ اکبر کہہ کر کدال چلاتے ہیں اور چٹان ٹوٹتی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے کسریٰ کے کنگن عطا کر دیے گئے۔ پھر تیسری مرتبہ کدال چلاتے ہیں' چٹان مزید ٹوٹتی ہے تو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ یمن کی فتوحات میرے رب نے مجھے عطا فرما دیں۔ یہ اس وقت فرمایا جا رہا ہے جب بظاہر فتح کا کوئی امکان نہیں ہے۔ قرآن ان حالات پر تبصرہ ان الفاظ میں کرتا ہے کہ حالات اس قدر دگرگوں تھے کہ کلیجے منہ کو آ رہے تھے' جبکہ رسالت مآب ﷺ قیصر و کسریٰ اور یمن کی فتوحات کی بشارتیں دے رہے ہیں۔ اس موقع پر منافقین کہہ رہے تھے کہ ہمیں بیوقوف بنا دیا گیا۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ۔ کہتے ہیں کہ معاشرے میں اتنے فیصد انقلابی ہوں تو انقلاب آتا ہے' جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ تنہا کھڑے ہوئے اور تیئیس (۲۳) برس میں کایا پلٹ دی۔

دینِ حق کا عالمگیر غلبہ: آیاتِ قرآنی کی روشنی میں

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ قرآن حکیم سے اشارے بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ قرآن سے صغریٰ کبریٰ جوڑا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ کل روئے ارضی پر اللہ کے دین کا غلبہ ہونا ہے۔ قرآن اصول اور بنیادی رہنمائی دیتا ہے' جبکہ اس کی وضاحت رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں رسالت مآب ﷺ کی رسالت کو تمام انسانیت کے لیے عالمگیر قرار دیتے ہیں۔ سورۃ الانبیاء' آیت ۱۰۷ میں ارشاد ہوا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر''۔ سورۂ سبا' آیت ۲۸ میں ارشاد ہوا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام بنی نوعِ انسانی کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر''۔ سورۃ الاعراف' آیت ۱۵۸ میں فرمایا: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔''

رسالت مآب ﷺ کی رسالت کا مشن یہ تھا کہ اس روئے ارضی پر دین حق کا نفاذ ہو جائے۔ تین مرتبہ ایک ہی بات قرآن نے فرمائی: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (التوبہ: ۳۳' الفتح: ۲۸' الصف: ۹) ''وہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ وہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل نظامِ زندگی پر''۔ ان دونوں باتوں کا صُغریٰ کُبریٰ جوڑیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب تک کُل روئے ارضی پر رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا دین حق غالب نہیں ہو جاتا' آپ ﷺ کی رسالت کا مشن پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچے گا' گویا

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

ہم کلمہ طیبہ میں پڑھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ ﷺ کی رسالت قیامت تک کے لیے ہے تو لازماً آپ ﷺ کا مشن بھی قیامت تک کے لیے ہے اور کل نظامِ زندگی پر دین کا غالب ہونا ابھی باقی ہے۔ چونکہ حضور ﷺ کی رسالت ساری انسانیت کے لیے ہے تو پوری انسانیت پر اللہ کا دین غالب ہوگا' ان شاء اللہ۔

دینِ حق کا عالمگیر غلبہ: احادیث کی روشنی میں

قرآن اصول دیتا ہے اور اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اسی طرح قرآن حکم دیتا ہے اور اس کی عملی تعبیر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ مثلاً قرآن بار بار کہتا ہے کہ نماز قائم کرو۔ بخاری شریف کی حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز ایسے ادا کرو جیسے تم مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔ نماز کا حکم قرآن نے دیا اور طریقہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا۔ نکاح کی بات قرآن نے کی اور طریقہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔ مرحومین کے لیے دعا کرنے کا حکم قرآن نے دیا لیکن مرحوم کے ساتھ کیا کیا جائے جب وہ فوت ہو جائے' یہ رسالت مآب ﷺ نے بتایا۔ یہ آپ ﷺ کی ذمہ داریوں میں شامل تھا کہ آپ ﷺ قرآن کی وضاحت فرمائیں۔ چار مرتبہ قرآن مجید میں اس کو بیان کیا گیا ہے کہ رسالت مآب ﷺ کتاب کی تعلیم دیں گے اور اس کی وضاحت فرمائیں گے (البقرۃ: ۱۱۰ و ۱۵۱' آلِ عمران: ۱۶۴' اور الجمعہ: ۲)۔

دین حق کے عالمگیر غلبے کے بارے میں قرآن مجید میں اشارے آئے ہیں' جبکہ احادیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں' چنانچہ چار احادیث پیش خدمت ہیں۔

پہلی حدیث: مسلم شریف کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا' وَاِنَّ اُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا)) (۱)

''اللہ تعالیٰ نے مجھے پوری زمین کو لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھا دیا۔ چنانچہ میں نے اس کے سارے مشرق بھی دیکھ لیے اور تمام مغرب بھی۔ اور یقین رکھو کہ میری اُمت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھائے گئے۔''

(۱) صحیح مسلم' کتاب الفتن و اشراط الساعة' باب هلاك هذه الامة بعضهم ببعض۔

وہ اللہ جو معراج کی شب اپنے حبیب ﷺ کو پلک جھپکنے کے دوران اور معمولی سے قلیل وقفے میں ساتوں آسمان کی سیر کرادے‘ اتنی انتہا پر لے جائے کہ جبرائیلؑ بھی کہہ پڑیں کہ اگر میں اس کے آگے بڑھوں گا تو میرے پر جل جائیں گے‘ اس اللہ کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ اپنے حبیب ﷺ کو پوری زمین لپیٹ کر دکھادے۔ بہرحال یہ اب تک نہیں ہوا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ۲۲ لاکھ مربع میل تک ہماری حکومت تھی۔ ہماری پہنچ تین براعظموں تک تھی۔ مغرب والوں کو بھی کہنا پڑا کہ اگر اسلام کو ایک اور عمرؓ مل جاتا تو ساری دنیا مسلمانوں کے قدموں تلے ہوتی۔

دوسری حدیث: دوسری روایت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے۔ اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے اُمت کے پانچ ادوار شمار کروائے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا‘ فَيَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً‘ فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ)) ثُمَّ سَكَتَ (۲)

’’دورِ نبوت تم میں اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا‘ پھر جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا اس کو ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کی طرز پر خلافت کا دَور ہوگا‘ پھر وہ دَور رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا‘ پھر وہ اس کو ختم کر دے گا جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی۔ وہ دور بھی اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا‘ پھر جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا۔ پھر جبر کی فرماں روائی ہوگی‘ وہ رہے گی جب تک اللہ چاہے گا‘ پھر وہ اس کو ختم کر دے گا جب وہ اسے ختم کرنا چاہے گا۔ پھر نبوت کے طرز پر دوبارہ خلافت قائم ہوگی‘‘۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔‘‘

اس حدیث کی رو سے پہلا دور دورِ نبوت ہے جو تئیس برس پر مشتمل ہے۔ اسی کے تسلسل میں دوسرا دور دورِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے۔ —— اسی کو حضور ﷺ نے اپنے ساتھ بریکٹ

(۲) مسند احمد‘ کتاب اول مسند الکوفیین‘ باب حدیث النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ‘ ح ۱۷۶۸۰۔

کیا ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ تم پر میری سنت پر عمل کرنا لازم ہے اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے‘ اسے داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے تھام لو۔ تیسرا دور کاٹ کھانے والی بادشاہت اور ملوکیت کا دور ہوگا۔ بدترین جبر کیا مسلمان حکمرانوں نے‘ جو کہنے کو تو خلیفہ تھے‘ لیکن بہت ہی ظالم اور جابر تھے۔ جنہوں نے سینکڑوں تابعین کو شہید کیا‘ بیت المال کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھا اور قتل و غارت کرتے رہے۔ یہ مسلمانوں کی تاریخ کا ایک تاریک باب ہمارے سامنے آتا ہے۔ چوتھا غلامی والی ملوکیت کا دور ہے۔ کہنے کو آزاد ہوں گے لیکن غیروں کے زیر تسلط ہوں گے۔ ایک صدی قبل ہم غیروں کے براہِ راست تسلط میں تھے‘ لیکن پچاس ساٹھ سال پہلے ہمیں آزادی ملنی شروع ہوئی‘ لیکن بیرونی آقاؤں کے تسلط سے آزادی آج تک نہیں مل سکی۔ اس کی مثال خود ہمارا ملک ہے۔ ہمارے جسم تو آزاد ہو گئے‘ لیکن ہماری فکر‘ نظامِ تعلیم‘ پالیسیاں‘ اشرافیہ‘ حکمراں ان کے تسلط سے آزاد نہیں ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے چوتھے دور کے بارے میں فرمایا کہ یہ مجبوری کا دور ہوگا۔ مجبوری کے تحت دوسروں کے زیر تسلط ہمیں جینا پڑے گا۔ یہ وہ حالات ہیں جن سے ہم گزر رہے ہیں۔ پانچواں اور آخری دور پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا ہے یعنی نبوی طریقہ کے مطابق خلافت کا نظام قائم ہوگا۔

یہ ہونا ناگزیر ہے اور ان شاء اللہ یہ ہو کر رہے گا اس لیے کہ یہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی ہے اور محمد ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلا ہر حرف وحی ہے۔ قرآن میں سورۃ النجم کی آیت ۳ و ۴ میں اس کی شہادت موجود ہے۔ ارشاد ہوا ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴﴾ ’’اور یہ (جو کچھ کہہ رہے ہیں) اپنی خواہش نفس سے نہیں کہہ رہے ہیں‘ یہ تو صرف وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔‘‘

تیسری حدیث: یہ بھی مسند احمد کی روایت ہے۔ حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں‘ وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِيْلٍ —— اِمَّا يُعِزُّهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا اَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا)) —— قُلْتُ: ’’فَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ‘‘ (۳)

’’روئے ارضی پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر باقی رہے گا نہ کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ جس

(۳) مسند احمد‘ کتاب باقی مسند الانصار‘ باب حدیث المقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ‘ ح ۲۲۶۹۷۔

میں اللہ اسلام کو داخل نہیں کر دے گا‘ خواہ کسی عزت والے کے اعزاز کے ساتھ خواہ کسی مغلوب کی مغلوبیت کی صورت میں ـــــ (یعنی) یا لوگ اسلام قبول کر کے خود بھی عزت کے مستحق بن جائیں گے یا اسلام کی بالادستی تسلیم کر کے اس کی فرماں برداری قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے‘‘۔ میں (راوی) نے کہا: تب تو سارے کا سارا دین اللہ کے لیے ہو جائے گا۔‘‘

گویا عزت اس کے لیے ہوگی جو اسلام قبول کر لے گا اور ذلت اس کے لیے ہوگی جو اسلامی حکومت کی بالادستی قبول کر کے اس کے تحت رہے گا‘ جسے شرعی اصطلاح میں ’’ذمی‘‘ کہا جاتا ہے۔ آگے راوی کہتے ہیں کہ پھر تو ایسی شان ہوگی جس کا ذکر سورۃ الانفال کی آیت ۳۹ میں بیان ہوا: ﴿.....وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ ’’.....اور دین کل کا کل اللہ ہی کا ہو جائے۔‘‘

جو تیسری حدیث: مسلم شریف کی روایت ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کی اس آیت ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ کے حوالے سے رسالت مآب ﷺ سے پوچھا کہ یہ تو ہو گیا ہے اور مسلمانوں کو فتوحات بھی حاصل ہو گئیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں‘ یہ تو ہونا ہے اور پوری زمین پر ہو کر رہے گا۔ سورۃ النور کی آیت ۵۵ میں بھی یہ بشارت موجود ہے‘ فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص﴾

’’اللہ کا وعدہ ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلافت (غلبہ) عطا کرے گا‘ جیسے اُس نے ان سے پہلے والوں کو خلافت عطا کی تھی۔ اور وہ ضرور ان کے اس دین کو غلبہ عطا کرے گا جو اُن کے لیے اُس نے پسند کیا ہے۔‘‘

دیکھئے رات شدید تاریک ہوتی ہے اور اسی کے بعد صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔ رب کی شان ہی یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو رسول اللہ ﷺ کو حکم یہی دیا تھا کہ آپ ﷺ! فرما دیں کہ میں پناہ میں آنا چاہتا ہوں صبح کے رب کی وہ جو رات کی تاریکی کو چیر کر صبح کو نمودار کرتا ہے۔ آپ سوچیے کہ جن کے دور میں کعبۃ اللہ میں ۳۶۰ بت تھے‘ کیا وہ تسلیم کر سکتے تھے کہ بیت اللہ کبھی بتوں سے پاک بھی ہوگا۔ جو برہنہ ہو کر طواف کرتے ہوں گے کبھی ان کی سمجھ میں بھی آیا ہوگا کہ یہ رک جائے گا۔ ایسے ہی ظاہری حالات کی تاریکی کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔ ہم مایوس

ہو جاتے ہیں اور مایوسی کفر ہے۔ قرآن نے سورۂ یوسف کی آیت ۸۷ میں کہا: ﴿اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾﴾ ’’یقیناً اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس کافر ہی ہوتے ہیں‘‘ لہٰذا اللہ کی رحمت کی امید رکھنا بندۂ مومن کے لیے فرض ہے۔

بہر حال قرآن میں موجود ’’بین السطور‘‘ اشاروں اور احادیث میں وارد صریح پیشین گوئیوں کے مطابق قیامت سے پہلے ان واقعات کا رونما ہونا طے ہے‘ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

دینِ حق کے عالمگیر غلبہ کے حوالے سے غیر مسلموں کے اقوال

اس ضمن میں اب ہم غیر مسلموں کے چند اقوال پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ ہمارے لیے دلیل ہے‘ بلکہ اس لیے کہ بدقسمتی سے آج ہمارے مسلم معاشرے کے دانشور اور دنیا پرست مسلمان انہیں زیادہ وزن دیتے ہیں۔ عربی کا مقولہ ہے کہ فضیلت تو تب ہے کہ دشمن بھی عظمت کا اعتراف کرے۔ مثال کے طور پر نپولین بھی یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ اگر آج کے حکمراں محمد ﷺ ہوں تو دنیا کو ان مسائل کا حل میسر آ جائے جو سب کی سلامتی کا ذریعہ بھی ہوگا اور سب کو یکساں طور پر قابل قبول بھی ہوگا۔ گاندھی جیل میں بیٹھا شبلی نعمانیؒ کی دوسری تیسری جلد پڑھ رہا ہے اور کہتا ہے کہ اس کتاب کی ان دو جلدوں کے پڑھنے کے بعد مجھے محمد ﷺ کی عظمت کے بارے میں کچھ اور پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ یہی گاندھی ۱۹۳۶ء میں اپنے ان امیدواروں سے‘ جو الیکشن لڑنے جا رہے تھے‘ کہنے پر مجبور ہوا کہ میرے پاس تمہارے سامنے پیش کرنے کو سوائے ابوبکر اور عمر کے اور کوئی مثال موجود نہیں ہے۔

اسکینڈے نیوین ممالک کی چند سہولتوں اور معیارِ زندگی کی وجہ سے ہم بہت تعریف کرتے ہیں۔ ہم وہاں ہجرت تک کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہاں پر سوشل سیکیورٹی بہت ہے‘ بیروزگاری الاؤنسز موجود ہیں‘ تعلیم کی سہولتیں بہت زیادہ ہیں۔ ان کے ہاں بڑا سوشل ویلفیئر کا تصور ہے۔ اس سوشل تصور کو بنانے والے بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ ہمیں یہ تصور عمر فاروقؓ سے ملا ہے۔ مائیکل ہارٹ کو انسانی تاریخ کی سب سے زیادہ موثر شخصیات میں محمد ﷺ کو پہلے نمبر پر لانا پڑا۔ وہ کہتا ہے کہ میں عیسائی ہونے کے باوجود نمبر ایک پر محمد ﷺ کو لے کر آیا اس لیے کہ تاریخ انسانی میں خالص انسانی سطح پر بھی اور خالص مذہبی سطح پر بھی کامیاب ترین انسان کوئی ہے تو وہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ مائیکل ہارٹ نے حضور ﷺ کو صرف ایک شخصیت قرار دیا اور آپ ﷺ کے

پیغمبر ہونے کو اس نے تسلیم نہیں کیا۔ اس کے نزدیک وہ جا چکے ہیں' جبکہ ہمارے نزدیک وہ اپنی تعلیمات کے ساتھ آج بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ آپ ﷺ کی زندہ تعلیم قرآن مجید کی صورت میں آج بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ سورۃ الاحزاب میں رسول اللہ ﷺ کو قیامت تک کے آنے والوں کے لیے نمونہ قرار دیا گیا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (آیت ۲۱) ''(اے مسلمانو!) تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے!''

ایل کے ایڈوانی کو بھارت میں یہ کہنا پڑا کہ اگر زنا کاری کے یہ اڈے ختم کرنے ہیں تو اسلام کی سخت سزائیں ہمیں نافذ کرنی پڑیں گی۔ امریکہ میں ڈوبتے ہوئے بینکنگ سسٹم پر وہاں کے بڑے بڑے چیف آپریٹنگ آفیسرز کو کہنا پڑا کہ اب ہماری سمجھ میں آ رہا ہے کہ اسلام نے ربا کو حرام کیوں قرار دیا ہے۔ لندن کے ایک چرچ کا آرک بشپ وہ کہنے پر مجبور ہوا جس کی اس کے اپنے لوگوں نے مخالفت کی کہ آج کی یہ بے حیائی اور سماج کے سنڈاس کو ختم کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی حل نہیں۔ ہماری کتاب corrupted ہے' اس میں وہ جان نہیں۔ اگر جان ہے تو وہ مسلمانوں کے قرآن میں ہے' اس کی تعلیم میں ہے۔ اگر انگلینڈ سے اس بدکاری کو ختم کرنا اور سماج کو پاک کرنا ہے تو اسلام کی تعلیمات کو نافذ کرنا پڑے گا۔ برناڈ شاہ کو کہنا پڑا کہ آئندہ سو برس میں اسپین' برطانیہ اور دنیا میں جو نظام حکمرانی کرے گا' وہ یا تو اسلام ہوگا یا اس سے قریب تر کوئی شے۔

ان باتوں سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہمارے لیے دلیل نہیں۔ مگر یہ وہ لوگ ہیں جن کو دنیا اسکالرز' دانشورز اور فلاسفرز تسلیم کرتی ہے۔ گورباچوف کو بھی یہ کہنا پڑا کہ ہمیں عورت کو چار دیواری میں لانے کے لیے تحریک چلانی چاہئے اس لیے کہ جس عورت کو گھر سے باہر لا کر اور کھلونا بنا کر بازاروں میں کھڑا کر دیا اور معاشرے کو تباہ و برباد کر دیا' اب ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ عورت کو اس کے اصل مقام گھر تک کس طرح واپس لایا جائے۔ ذمہ دار افراد ذمہ دار ماؤں کی گود میں پلتے ہیں اور آج ہماری سوسائٹی کو ذمہ دار افراد نہیں مل رہے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ (الاحزاب:۳۳) ''اور تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو' اور مت نکلو بن سنور کر پہلے دورِ جاہلیت کی طرح''۔ امریکہ نے فضا میں لڑنے کی تیاری کر لی اور روس کے خلاف space war کے لیے تیار ہو گیا۔ لوگوں نے کہا کہ تمہارا فیملی سسٹم برباد ہو چکا ہے' ہر دس سیکنڈ پر ایک ریپ کا کیس ریکارڈ ہوتا ہے' حال تو تمہارا اس حد تک بگڑا ہوا ہے اور تم ہو کہ مستقبل کی تیاری میں لگے ہوئے ہو۔ آخر بش کو کہنا پڑا کہ خدا

کے واسطے شادیاں کرو۔ پھر وائٹ ہاؤس میں ایک الگ ڈیپارٹمنٹ کے لیے فنڈنگز کرنی پڑیں کہ کسی طرح قوم کو بائبل پڑھاؤ' انہیں خدا سے جوڑو اس لیے کہ خدا سے دور ہو کر بربادی کی طرف چلے گئے۔

یہ چند غیر مسلم لوگوں کے اقوال میں نے آپ کو سنائے ہیں۔ یہ دنیا دار لوگ جنہوں نے دنیا پر حکمرانی کر کے انہیں رہنمائی دی' فلسفے دیے' سوچ و فکر دی' وہ آج یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ اسلام کے سوا کوئی راستہ ہے ہی نہیں جہاں ہمیں جائے پناہ مل سکے۔ اسی تہذیب کے متعلق اقبال نے کہا تھا:

تمہاری تہذیب آپ اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا!

وہ اقبال جب مغرب گیا تو اس نے کہا:

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے

وہ اس قوم کی تباہیاں دیکھ کر آیا جو الہامی تعلیم سے دور اور محض مادہ پرستانہ سوچ پر مبنی اپنے کو آزاد کہنے والی تہذیب ہے۔ آج اس تہذیب کی ناپائیداری ہمارے سامنے ہے۔ یہ جمہوریت کے چمپیئن بننے والوں کا مکروہ چہرہ دنیا کے سامنے آ چکا۔ ان کا معاشرتی' معاشی اور سیاسی نظام سب تہس نہس ہو چکا ہے۔ وحی الٰہی کو فراموش کر کے شاخ نازک پہ جو آشیانہ بنا تھا' اس کی تباہی ہمارے سامنے ہے۔

آج دنیا کے مفکّرین کہہ رہے ہیں کہ اس وقت دنیا میں ایک بہت بڑا خلا ہے۔ کیپٹلزم برباد ہو چکا' سوشلزم کی تباہی ہو چکی' آزادانہ سوچ پر مبنی نظام برباد ہو چکا' نام نہاد جمہوریت کا سیاہ چہرہ سامنے آ چکا۔ اب ایک مغربی مفکّر مجبور ہو کر کہتا ہے کہ ہم نے ہواؤں میں پرندوں کی طرح جہاز بنا کر اڑنا سیکھ لیا' ہم نے سمندر کی تہہ میں جا کر آبدوزوں کے ذریعے مچھلی کی طرح تیرنا سیکھ لیا' لیکن زمین پر انسان بن کر ہمیں جینا نہیں آیا۔ وہ جینا ہمیں وحی الٰہی سکھاتی ہے جو کتاب و سنت کی صورت میں ہم مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ آج مسلمانوں کی حیثیت اور ان کی مثال ایک سانپ کی طرح ہے۔ جو خزانہ ایک صندوق میں بھرا ہوا ہے اور وہ سانپ اس پر پھن پھیلائے بیٹھا ہوا ہے۔ نہ خود اس سے فائدہ اٹھاتا ہے نہ دوسروں کو اس کے قریب آنے دیتا ہے۔

اللہ کے دین کو نافذ کر کے اس کی برکات انسانیت کے سامنے پیش کرنا ہم پر فرض

ہے۔انسانیت سسک رہی ہے۔بش سینئر نے نیو ورلڈ آرڈر کی بات کی تھی جو اصلاً جیو ورلڈ آرڈر ہے جو اس دنیا کی تباہی کے سوا کچھ نہیں۔اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ جسٹ ورلڈ آرڈر ہمارے پاس ہے۔اس پر اقبال کہتا ہے:

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے!

پاکستان کے حالات اور نظامِ خلافت کا قیام

یہ گفتگو کا پہلا حصہ تھا جو یہاں مکمل ہوا۔بشارات یقیناً موجود ہیں اور امکانات ایک سو ایک فیصد موجود ہیں۔کتاب وسنت کی تعلیمات‘ احادیث کی وضاحتیں‘ دنیا کے چلانے والوں کا ماننا اور وقت کے کچھ اشارے ہمارے سامنے موجود ہیں‘ لیکن جب ہم اس معاشرے میں نکلتے ہیں تو ہمیں تاریکیاں ہی تاریکیاں نظر آتی ہیں۔ذہنوں میں سوالات بھی اٹھتے ہیں۔کتابِ مبین کی آیات اور حضور اکرم ﷺ کی احادیث سامنے نہ ہوں‘ ماضی میں ایمان والوں کا دبنے کے بعد اٹھنا‘ زوال کے بعد عروج کا ملنا سامنے نہ ہو تو نظامِ خلافت کا پھر سے قیام اور دین حق کا عالمگیر غلبہ پانا ایک خواب اور سراب ہی محسوس ہوتا ہے۔تاہم بحیثیتِ مسلمان ہم یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ ایسا ضرور ہوگا اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں اپنا حصہ ڈالنے پر ہم مقدور بھر کوشش بھی کریں۔

اب کچھ باتیں پاکستان کے تناظر میں پیش خدمت ہیں۔منفی باتیں تو سب کے سامنے ہیں۔ہم ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ رہے ہیں‘ ایک دوسرے سے ملنے کے لیے تیار نہیں‘ ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرنے کو تیار نہیں۔آیئے ہم کچھ مثبت باتوں کا تذکرہ کریں۔اس خطے کی چار سو برس کی تاریخ موجود ہے۔رب نے اس خطے کو کسی عظیم مشن کے لیے چنا ہے۔ابھی بظاہر احوال ہمارے سامنے تاریکیاں ہیں‘ لیکن آیئے اپنے ماضی پر نگاہ ڈالیں۔جب رسالت

مآب ﷺ کی رسالت ونبوت کو ایک ہزار سال مکمل ہوگئے اور الف ثانی شروع ہوا۔ذہن میں فوراً حضرت مجدد الف ثانیؒ کی عظیم شخصیت کا خیال ابھرتا ہے۔انیسویں صدی میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جامع شخصیت کا پیدا ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔آج برصغیر ہندو پاکستان میں جتنے بھی معروف مکاتب فکر ہیں سب جا کر شاہ ولی اللہ دہلویؒ پر جڑتے ہیں۔اس سے آگے چلیں تو سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ جن کی تحریک شہیدین بہت مشہور ہے۔اس سے آگے چلیں تو دارالعلوم کے پہلے استاد مولانا محمود الحسنؒ‘ ریشمی رومال کی تحریک اور کالے پانی کی سزا اور ان کا استقامت کے ساتھ کھڑے رہنا۔پھر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اس خطے کو اور قبولیت عطا فرمائی۔مولانا الیاسؒ جیسے مبلغ‘ تبلیغی جماعت کے بانی جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو خیر کثیر عطا فرمایا۔ماننا پڑے گا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ جیسے مصنف سے بھی دنیا کو خیر عطا ہوا۔ان کے پاکستان میں اردو میں پڑھنے والے کم ہیں‘ فرنچ اور انگریزی میں پڑھنے والے زیادہ ہیں۔عربوں کے ہاں ان کے لٹریچر کے عربی میں ترجمے کے بعد انہیں پڑھنے والے زیادہ ہیں۔پھر تمام معروف مکاتب فکر کی بڑی بڑی شخصیات ہیں جن کی کتابیں ملک سے باہر پڑھائی جارہی ہیں۔

مولانا بدر عالمؒ جو بعض ساتھیوں کے لیے ایک غیر معروف نام ہوگا‘ نے احادیث کی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔عربی میں انہوں نے مہارت حاصل کی۔ایک دفعہ جامعۃ الاظہر گئے تو وہاں ان کی کتاب پڑھائی جارہی تھی۔استاد سے غلطی ہوگئی۔انہوں نے فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو میں تصحیح کردوں۔انہوں نے فرمایا کہ آپ مہمان ہیں‘ تصحیح کردیجئے۔بتایا کہ بھائی یہ کتاب میری ہے۔آپ کو علم ہونا چاہئے کہ دنیا میں سب سے زیادہ قرآن کے ترجمے میری ناقص معلومات کے مطابق اردو میں ہیں۔۵۰‘۵۵ تراجم مختلف مکاتب فکر کے اردو زبان میں ہیں۔شاید کہ ایسی کوئی مثال دنیا میں موجود ہو۔تفاسیر اور احادیث پر جو کام یہاں پر اس دور میں ہوا‘ اتنا کہیں نہیں ہوا۔

۶۹ برس پہلے جب دنیا میں سیکولرزم کا ڈنکا بج رہا تھا تو یہاں اُس وقت پاکستان کا مطالبہ ہو رہا تھا۔دنیا والے اس وقت کہہ رہے تھے کہ اس قوم کا بیڑہ غرق ہو‘ اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے جو یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ ہمیں اسلام کے نام پر ایک خطۂ زمین چاہیے۔یہ دنیا والوں کے لیے بمباری تھی۔دنیا کہتی تھی کہ حاکمیت تو عوام کے لیے ہے۔حکمرانی تو بندوں کی ہے‘ بندوں کے لیے ہے اور بندوں کے ذریعے ہے۔مذہب کو سیاست سے دور رکھا جائے۔ریاست کے معاملات کو مذہب کے معاملات سے الگ ہونا چاہیے۔ایسے میں ہمارے آباء واجداد نعرے

لگا رہے تھے کہ پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ۔ وہ کیا کوئی ڈرامہ کر رہے تھے؟ پندرہ لاکھ لوگوں کی جانیں کسی ڈرامے کے لیے دے دی گئیں۔ اے اللہ! ایک خطۂ زمین دے جہاں ہم تیرے دین کو نافذ کریں گے۔

اس کی مثال پوری دنیا میں کہیں نہیں۔ یا اسرائیل بنا ہے نظریہ کی بنیاد پر یا پاکستان بنا ہے۔ دونوں میں یہ مشابہت ہے۔ اسرائیل ۱۹۴۸ء میں بنا اور پاکستان ۱۹۴۷ء میں بنا۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ ہر بیماری کا علاج پہلے پیدا کرتا ہے۔ جب ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل کو عربوں پر فتح حاصل ہوئی تو ان کے وزیراعظم بن گوریان نے کہا کہ ہمیں کوئی خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ ہمارا اصل نظریاتی دشمن پاکستان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ ہمارے پاس وہ میزائیل موجود ہیں جو نیویارک تو نہیں پہنچ سکتے البتہ تل ابیب ضرور پہنچ سکتے ہیں۔ ہماری ساتویں ریاست ہے جس نے دنیا کو بتا کر ایٹمی دھماکے کیے ہیں۔ ہم دنیا کے نزدیک مجرم ہیں جنہوں نے اپنی اسمبلی میں قرارداد مقاصد منظور کروا کر یہ اعلان کر دیا کہ حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کے لیے ہے اور کوئی بھی قانون سازی قرآن وسنت کے خلاف نہیں کی جائے گی۔ اگر ہم نے اس پر اب تک عمل نہیں کیا تو دستور سے غداری کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ہمیں اس جرم کی سزا مل رہی ہے۔ یہ ہماری تاریخ ہے۔

ہم کوئی ایرے غیرے لوگ نہیں ہیں اور نہ ہمیں اللہ نے کسی ایرے غیرے خطے میں پیدا کیا ہے۔ اس خطے کی چار سو سال کی تاریخ ہے۔ اس کے بزرگوں کی قربانیاں ہیں۔ اللہ انہیں ان شاء اللہ ضائع ہونے نہیں دے گا' لیکن ہم تو اپنی ذمہ داری کا ادراک کریں۔ اللہ نے ہمیں یہ ملک چھپر پھاڑ کر انگریزوں اور ہندوؤں کی مخالفت کے باوجود عطا فرما دیا تو کچھ ہمارا بھی فرض بنتا ہے۔ یہ تو ہے ہماری ماضی کی تاریخ۔ حال ہمارے سامنے ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چار سو سالہ قربانیوں کو ضائع کر دے گا؟ کیا اللہ اپنے بندوں کی لاج نہیں رکھے گا؟ لیکن یہ اس وقت ہوگا جب اللہ کے بندے میدان میں آنے کے لیے تیار ہوں۔ اللہ کی ذات سے مایوس ہونا کفر ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھنا فرض ہے۔ احساسِ فرض کے ساتھ دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے تیار ہونا پڑے گا۔

موجودہ دور میں قیامِ نظامِ خلافت کے طریقے

اب ہم گفتگو کے دوسرے حصے کی طرف آتے ہیں۔ نظامِ خلافت کے قیام کا طریقۂ کار کیا

ہوگا؟ نظامِ خلافت کا قیام امت پر فرض ہے اور اس کے لیے ہمیں اپنا تن من دھن سب کچھ لگانا ہوگا۔ نظامِ خلافت کے قیام کے طریقۂ کار کے حوالے سے جو بنیادی باتیں ہیں' پہلے میں انہیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ چند طریقے ہمارے معاشرے میں رائج ہیں۔ کچھ لوگ بڑے خلوصِ نیت کے ساتھ ان طریقوں پر کام کر رہے ہیں۔ ہم کسی کے خلوص پر شبہ نہیں کرتے۔ خلوص کے ساتھ ہمارا جو بھائی جہاں بھی جدوجہد کر رہا ہے' ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اس کی جدوجہد کو شرفِ قبولیت بخشے۔ مگر بہرحال' خلوص کے ساتھ طریقۂ کار کی درستگی بھی ضروری ہوا کرتی ہے۔ وہ چند باتیں جو معروف ہیں' پہلے انہیں بیان کیا جاتا ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کام دعاؤں سے ہو جائے گا۔ اس کائنات میں رب نے ہر بندے کے لیے دعا کی قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے۔ سورۃ المؤمن میں فرمایا: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (المؤمن: ۶۰) ''اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو' میں تمہاری دعا قبول کروں گا''۔ سورۃ البقرۃ میں دعا کی قبولیت کو شرط کے ساتھ مشروط کر دیا: ﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ (آیت ۱۸۶) ''میں تو ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی (اور جہاں بھی) وہ مجھے پکارے''۔ آپ سوچیے کہ کیا اللہ اپنے رسول ﷺ کی دعا نہ سنتا۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی متقی ہو سکتا ہے یا آپ ﷺ سے بڑھ کر کسی کی دعا قبول ہو سکتی ہے۔ لیکن غور کیجیے کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے محض دعا پر اکتفا فرمایا!

کچھ لوگ کہتے ہیں اللہ کرے نظامِ خلافت قائم ہو۔ ہمارا دل یہی چاہتا ہے اس لیے کہ ہم مسائل سے تنگ ہیں' لہٰذا اب تو انقلاب آ ہی جائے۔ محض چاہنے سے یہ کام نہیں ہوگا۔ میرے سامنے گلاس میں پانی رکھا ہے۔ میں چاہوں کہ میرے منہ میں پانی چلا جائے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ انہونی سی بات ہے۔ دین کے معاملے میں پتا نہیں کیسی کیسی چاہت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ تو ایسی بات ہے جس کی نفی کی بھی ضرورت نہیں۔

اسی طرح کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں علمی کام کرنا چاہیے۔ بڑے شدومد کے ساتھ یہ بات کہی جاتی ہے۔ یہ بھی ایک بہت بڑا نشہ ہے۔ اسے ذہنی عیاشی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیا قرآن سے بڑھ کر محمد ﷺ کا کوئی بڑا معجزہ ہے؟ چودہ سو برس قبل عربوں کو شاعری سے بڑا لگاؤ تھا۔ سال میں ایک مرتبہ کسی شاعر کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے شعراء کا کلام لکھ کر کعبہ کے پردے پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ قرآن کے نزول کے بعد سب کی بولتی بند ہوگئی۔ ایک بڑے شاعر ایک صحابی کے گھر کے باہر دیکھتے ہیں: ﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ

شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾ تو اعتراف کے طور پر لکھنا پڑا اما ھٰذا قول البشر کہ یہ کسی انسان کا قول ہو ہی نہیں سکتا۔ لبیدؓ ایک شاعر تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اب آپ شاعری کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے کہ کیا قرآن کے نزول کے بعد بھی؟ قرآن چیلنج دیتا ہے کہ اگر تمہیں اس قرآن میں کوئی شک ہے تو اس قرآن کی کسی سورت سے ملتی جلتی کوئی سورت لے آؤ تو وہ نہیں لا سکے۔ علمی سطح پر تو قرآن کی سطح پر کوئی آ ہی نہیں سکتا۔

آج سائنس کا دور ہے۔ ایک سائنسداں کو ۱۹۷۲ء میں نوبل انعام ملا اس پر کہ اس نے یہ ثابت کر کے بتایا کہ شہد کی مکھی شہد بنانے کا عمل انجام دیتی ہے' مکھا نہیں' جبکہ قرآن نے چودہ سو برس پہلے یہ بات بتا دی تھی اس لیے کہ قرآن نے مؤنث کا صیغہ استعمال کیا۔ لہٰذا لوگوں کو قرآن کی طرف جھکنا چاہئے۔ ڈاکٹر کیتھ مور قرآن میں مذکور تخلیق کے مراحل دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں پریشان ہوں کہ قرآن جو باتیں چودہ سو سال پہلے کہہ چکا ہے' مجھے تیس سال پہلے معلوم بھی نہ تھیں۔ اگر علم پر زور کی بات ہے تو قرآن کے سامنے تو کوئی ٹھہر بھی نہیں سکتا۔ اگر اس کے بعد بھی علمی کام باقی ہوتا تو محمد رسول اللہ ﷺ سکھاتے۔

غور کیجیے کہ اگر یہ کام صرف دعا یا کسی علمی کام کے ذریعے ہو جاتا تو کیا حضور اکرم ﷺ طائف جاتے؟ اُحد کے میدان میں جاتے؟ اپنا خون بہاتے؟ تین برس تک شعب ابی طالب میں گزارتے؟ انبیاء کے بعد مقدس ترین ہستیوں یعنی صحابہ کرامؓ کے لاشے اُٹھاتے؟ صرف علمی کام نہیں' خطبات اور کورسز نہیں۔ یہ مقصود نہیں' بلکہ متحرک کرنے اور جذبہ پیدا کرنے کے لیے صرف ذرائع ہیں۔ اور اگر یہ مقصود بن گئے' معذرت کے ساتھ' یہ محض ذہنی عیاشی ہوگی۔ اللہ ہمیں اس سے بچائے۔ آمین!

اسی طرح کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ محض دعوت و تبلیغ سے یہ کام ہوگا۔ یہ ادھورا خیال ہے۔ سورۃ الاحزاب میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾﴾ ''اے نبیؐ! یقیناً ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر اور بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا۔ اور اللہ کی طرف بلانے والا اُس کے حکم سے اور ایک روشن چراغ بنا کر''۔ لیکن کیا رسول اللہ ﷺ نے صرف دعوت ہی کا کام کیا؟ محض دعوت ہے یا ٹکراؤ بھی ہے؟ غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق میں کیا ہوا؟ فتح مکہ اور سفر تبوک کے موقع پر دعوت دی جا رہی ہے یا اقدام ہو رہا ہے؟ دعوت تو خلافت کے نظام کی جدوجہد کی بنیاد ڈالنے اور افراد فراہم کرنے کا بس ایک ذریعہ ہے اور اس دعوت و تبلیغ کے بعد تصادم کا مرحلہ بھی آیا ہے۔

موجودہ دور میں دو اور باتیں سامنے آئیں۔ ایک پرتشدد کارروائیوں کا معاملہ ہے اور دوسرا انتخابی سیاست کا۔ اس وقت ہمارے ذہن میں یہ تناظر ہے کہ یہ ایک مسلم ملک ہے' اسلامی ملک نہیں۔ اسلام وہ نہیں ہے جو مسلمان کر رہے ہیں بلکہ وہ ہے جو کرنا چاہیے۔ یہ الفاظ بلال فلپس کے ہیں:

> Islam is not what the muslims do but Islam is what the muslims are supposed to do.

ہمارے ملک میں ۹۵ فیصد لوگ نماز نہیں پڑھتے۔ کیا یہ اسلام ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسلامی ملک وہ ہوگا جہاں اسلام کی بالادستی ہوگی اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ مسلمانوں کا ملک ہے اس لیے کہ یہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ کچھ مسلمان کافروں کے ملک میں رہ رہے ہیں تو جہاں کافر اکثریت میں ہیں تو وہ کافروں کا ملک ہوا۔ ایک معاملہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ملک میں پرتشدد کارروائیاں اپنی ہی حکومت اور فوج کے خلاف ہو رہی ہیں۔ ایک مسلمان ملک میں اگر غیر مسلم قابض ہو جائیں تو اس کے خلاف کارروائی ایک الگ معاملہ ہے۔ طالبان افغانستان جو کچھ کر رہے ہیں وہ صحیح کر رہے ہیں۔ افغانستان کی امارتِ اسلامی کو ختم کیا گیا اور وہ اس کی بحالی کے لیے جہاد و قتال کر رہے ہیں۔ ایک مسلم ملک میں پرتشدد کارروائیوں کا نشانہ اکثر عوام الناس ہی بنتے ہیں اور پھر اپنے ہی لوگ بعض اوقات جوابی کارروائی کر جاتے ہیں۔ تاریخ میں ایسی پرتشدد کارروائیاں کبھی بھی کامیاب ہوتی دکھائی نہیں دیں۔ ایسی کاروائیاں counter productive ہو جایا کرتی ہیں۔

ایک راستہ انتخابی سیاست کا ہے۔ ہم آج کل مغرب سے اس قدر مرعوب ہو چکے ہیں کہ اس راستے کو چھوڑ کر منہج انقلابِ نبوی ﷺ کی رہنمائی میں انقلابی سیاست کی طرف آنے کو تیار نہیں۔ انتخابی سیاست کے راستے کو اگر ہم پاکستان کے تناظر میں دیکھیں تو ۶۸ برس کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ خالص دینی مسائل پر دینی طبقات کو کامیابیاں اکثر احتجاجی سیاست کے ذریعے ملی ہیں۔ ۱۹۷۳ء کے دستور میں اسلامی دفعات کی شمولیت ہوئی تو اس وقت دو چار ہی مذہبی سیاسی جماعت کے ارکان پارلیمنٹ میں تھے۔ پرویز مشرف کے دورِ حکومت میں بڑی تعداد مذہبی طبقات کی پارلیمنٹ میں موجود تھی اور ایک صوبہ میں تو ان کو دو تہائی اکثریت حاصل تھی' لیکن ان سب کی موجودگی میں این آر او بھی ہوا' سترہویں ترمیم بھی منظور ہوئی' حدود آرڈیننس میں غیر شرعی ترامیم بھی ہوئیں۔

ہر ملک کے اپنے داخلی حالات اور جغرافیائی کیفیات ہوتی ہیں۔ پاکستان کا مسئلہ یہ ہے کہ یہاں کی ۷۰ فیصد آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔ یہ پوری آبادی یہاں کے چودھری‘ وڈیرے‘ خوانین اور سرداروں کے جبر کے تحت زندگی بسر کر رہی ہوتی ہے۔ شہروں میں اگر کچھ پارٹیاں متحرک ہیں بھی تو ان میں بھی یہی طبقات موجود ہوتے ہیں۔ مذہبی سیاسی جماعتیں سیکولر جماعتوں کے ساتھ اتحاد بناتی ہیں۔ مذہبی جماعتوں کے قائدین نصاریٰ کے ساتھ مل کر کرسمس کا تہوار مناتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ انتخابی سیاست کے تمام تقاضے تو وہ پورے کرنے پر مجبور ہیں‘ ورنہ ووٹ بینک کس طرح قائم ہوگا۔ ان حالات میں یہاں انتخابی سیاست کے راستے سے اسلام کا آنا ناممکن ہے۔ کسی ملک میں اسلام کو نافذ کرنے کے لیے انقلابی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ انتخابی سیاست کے نتیجے میں چہرے بدل جایا کرتے ہیں‘ نظام نہیں بدلتا۔ ہمارے سیاستداں بھی یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ چہرے نہیں نظام کو بدلو‘ لیکن جاری نظام کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ اس طرح تو نظام نہیں بدلا جاسکتا۔ یہ نعرے صرف عوام کو بیوقوف بنانے کے لیے لگائے جاتے ہیں۔ انتخابی سیاست میں حصہ لینے والی جماعتیں نظام کو چلانے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرنے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ اگر جاری نظام کو جڑ سے اکھاڑنا ہے تو یہ انتخابی سیاست کے ذریعے ممکن نہیں۔ اس کے لیے تو انقلابی راستہ ہی اختیار کرنا پڑے گا۔ بات سمجھانے کے لیے عرض کر رہا ہوں کہ اگر رسول اللہ ﷺ مکہ میں کھڑے ہو جاتے کہ میں اللہ کا رسول اور تمہارا حکمراں ہوں‘ اگر اس بات پر ووٹنگ ہوتی تو کیا آپ ﷺ کو مکہ والے منتخب کرتے؟ قرآن بھی سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۶ میں کہتا ہے: ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ﴾ ’’اور اگر تم پیروی کرو گے زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے لازماً گمراہ کر دیں گے‘‘۔ ایران میں انقلاب آیا ہے‘ جسے ہم اسلامی انقلاب تسلیم نہیں کرتے‘ وہاں بالفرض اگر آیت اللہ خمینی نے انتخابات کا راستہ اختیار کیا ہوتا تو کیا انقلاب برپا ہونا ممکن ہوتا۔ وہاں تو بدترین بادشاہت قائم تھی۔

منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ اور اس کا خاکہ

ہمارے پیش نظر جو انقلابی راستہ ہے اسے ہم نے منہج انقلابِ نبوی ﷺ کا عنوان دیا ہے۔ ایک جملے میں کہیں تو پرامن مطالباتی و مظاہراتی تحریک جس کا مقصد شریعت کے نفاذ کی جدوجہد

ہو اور جس کی رہنمائی ہمیں نبی اکرم ﷺ کے انقلابی اُسوہ سے لینی ہوگی۔ یہی طریقہ ہمیں موزوں دکھائی دیتا ہے۔ ختمِ نبوت کی تحریک ۱۹۷۴ء میں سڑکوں پر پہلے چلی اور پارلیمنٹ میں قادیانیوں کو بعد میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ اس تحریک میں محنتیں بھی عوام کی تھیں اور جانیں بھی انہوں نے دیں۔ چونکہ یہ ایک خالص دینی اور شرعی اور قومی مسئلہ تھا لہٰذا پوری قوم اس کی پشت پر کھڑی تھی۔ قوم نے تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ کی تحریک دیکھی۔ حکمرانوں کو توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایسی چند اور مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ شریعت کے حوالے سے جو بھی تحریک چلی‘ عوام نے اس کا ساتھ دیا اور اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔ ایسی مثالیں غیر مسلم ممالک سے بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔

اسلامی انقلاب کے لیے بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے دس خطباتِ جمعہ ارشاد کیے تھے جنہیں بعد ازاں ’’منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ‘‘ کے نام سے کتابی شکل میں بھی شائع کیا گیا۔ بعد میں ’’رسولِ انقلاب کا طریقِ انقلاب‘‘ نامی کتاب میں اس کا خلاصہ شائع کیا گیا۔ منہج انقلاب نبوی کا ایک مختصر خاکہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

جب قرآن سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۱ میں کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں تمہارے لیے اسوۂ حسنہ ہے تو ہمیں زندگی کے تمام گوشوں کے لیے اُسوۂ حسنہ سے رہنمائی لینی چاہیے۔ اقامت دین کی یہ جدوجہد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے ۲۳ سال کے عرصے پر محیط ہے۔ اس کے دو بڑے مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ حیاتِ مبارکہ کے ۱۳ سالہ مکی زندگی کا ہے یعنی وحی کے آغاز سے لے کر ہجرتِ مدینہ تک کے ۱۳ سال اور دوسرا مرحلہ ہجرت کے بعد ۱۰ سالہ مدنی زندگی کا ہے۔ پہلے مرحلے میں چار بڑے کام ہیں اور دوسرے مرحلے میں دو بڑے کام ہیں۔ گویا یہ کل چھ مراحل بن جاتے ہیں۔ پہلا مرحلہ قرآن کے ذریعے انقلابی دعوت کا پیش کیا جانا ہے۔ دوسرا مرحلہ دعوت کو قبول کرنے والوں کو منظم کرنا یعنی سمع و طاعت کی بنیاد پر جماعت کی تشکیل ہے۔ تیسرا مرحلہ ان کی تربیت کرنا ہے یعنی ان کو آئندہ کے مراحل کے لیے تیار کرنا ہے۔ دعوت کے نتیجے میں مسائل و مصائب تو پیش آئیں گے۔ ان کو جھیلنا اور برداشت کرنا یعنی صبر کرنا چوتھا مرحلہ ہے جسے صبرِ محض کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ چار کام مکی زندگی میں مستقل طور پر دکھائی دیتے ہیں گو دعوت کا مرحلہ آئندہ بھی جاری رہا۔

ان چاروں کے حوالے سے چند مختصر باتیں پیش خدمت ہیں۔ پہلا مرحلہ دعوت کا ہے لیکن

یہ انقلابی دعوت ہے جو باطل کی جڑوں کو تیشہ لگائے اور جاری باطل نظام کو چیلنج کرے۔ یہ توحید کی دعوت ہے جو قرآن کی انقلابی تعلیمات کے ذریعے سے ہوگی۔ اس دعوت میں توحید کے عملی پہلو کا اظہار تھا۔ قرآن تین مقامات میں کہتا ہے: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (الانعام: ۵۷، یوسف ۴۰ و ۶۷) ''فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں سوائے اللہ کے!''

بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانا توحید کی دعوت کا انقلابی پہلو ہے۔ دوسرے مرحلے میں جنہوں نے اس دعوت کو قبول کیا خواہ وہ حضرت بلال، مصعب بن عمیر، حضرت صدیق اکبر ہوں یا حضرت خدیجہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)، ان کو منظم کرنا ہے کیونکہ باطل نظام اکیلا تو نہیں، بلکہ اس کے ساتھ اس کے پروردہ لوگ بھی ہیں جن کے اس نظام سے مفادات وابستہ ہیں۔ حق والوں کی اجتماعیت باطل کو مٹانے کے لیے ضروری ہے۔ اس جماعت کی بنیاد سمع و طاعت یعنی سنو اور اطاعت کرو پر رکھی گئی ہے تاکہ ایک منظم اور مضبوط جماعت برپا ہو سکے۔

تیسرا مرحلہ ان کی تربیت کا ہے۔ ہمارے لوگ جو پارلیمنٹ میں جاتے ہیں انہیں ہارس ٹریڈنگ سکھائی جاتی ہے، لیکن یہاں پہلا نعرہ حاکمیت الٰہی کا ہوگا۔ اللہ کی زمین پر اللہ کا حکم چلے گا۔ اللہ کا حکم منوانے والے اور اللہ والے میدان میں آئیں گے۔ انہیں اللہ والا بنانے کی تربیت دی جائے گی۔ قرآن سے آبیاری حاصل کرنا ہوگی اور اپنے اندر انقلابی جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔ ان کی ذات پر اللہ کی شریعت نافذ ہوگی۔ اگر یہ نظامِ خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اسے اپنے وجود پر نافذ کریں۔ آج یہی تو رونا ہے کہ انقلاب کے نعرے لگانے والے مسجد میں کم کم نظر آتے ہیں۔ دعویٰ قرآنی دستور کا لیکن خود قرآن پڑھنا نہیں آتا۔ جب اپنا حال یہ ہو تو لوگوں کو دعوت کس منہ سے دی جائے گی۔ چوتھا مرحلہ یہ ہے کہ دعوت کے نتیجے میں جو مشکلات آئیں انہیں جھیلو۔ قرآن میں حضور ﷺ کو تسلی دی گئی کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں ان پر صبر کیجیے، خوبصورتی کے ساتھ صبر کیجیے، ان سے خوبصورتی کے ساتھ الگ ہو جایئے، مشرکین سے اعراض کیجیے، برائی کا جواب بھلائی سے دیجیے۔

یہ چار مراحل مکی دور میں جاری رہے۔ دعوت قرآن کے ساتھ، جماعت کا نظم سمع و طاعت کی بنیاد پر، تربیت قرآن کے ذریعے اور صبر کی تلقین اور جوابی کارروائی سے گریز اور اپنے موقف پر ڈٹے رہنا۔ اپنی تعداد میں اضافہ کرتے رہنا اور مزید مشکل حالات کے لیے تیاری کرنا۔ ابھی

اگر پھٹ پڑے اور جوابی کارروائی کر بیٹھے تو جماعت ختم ہو جائے گی۔ مقابلے کے لیے کیسے کھڑا ہوا جائے گا۔ خانۂ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے ہیں، انہیں تو ابھی توڑا نہیں جا سکتا۔ عظیم اکثریت تو خاموش ہوتی ہے لیکن گونگی بہری نہیں ہوتی۔ ان کے دلوں کو جیتنا ہے۔ وہ تو دیکھ رہی ہوتی ہے کہ انہوں نے کوئی جرم تو نہیں کیا اور جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس میں ان کا کوئی مفاد بھی نہیں ہے۔ یہ تو اپنی جان دینے کو تیار ہیں لیکن ایمان چھوڑنے کو تیار نہیں۔ تو کیا خاموش اکثریت پر مبنی لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے ہمدردی پیدا ہوگی کہ نہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں قدر تو ہے لیکن وہ جبر میں ہیں۔ جب یہ جبر ہٹے گا تو قدر کے نتائج نکلیں گے۔ یہ ایمان لے آئیں گے اسی طرح جیسا کہ سورۃ النصر میں فرمایا گیا: ﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲﴾ ''اور آپؐ دیکھ لیں لوگوں کو داخل ہوتے ہوئے اللہ کے دین میں فوج در فوج''۔

ان چار مراحل سے ہم نے بھی آج گزرنا ہے۔ اس ملک میں ایک اور خوشخبری ہے۔ ملک میں ۶۰ فیصد سے زیادہ نوجوان ہیں۔ ان کے لیے حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آئیڈیل ہونے چاہئیں۔ کاش کہ آج جن نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہتھیار آ گئے ہیں، کہیں موبائل فون کا ہتھیار ہے، کہیں لیپ ٹاپ کا ہتھیار اور کہیں آئی پیڈ کا ہتھیار ہے، ان کے سامنے آخرت کا مستقبل واضح ہو جائے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہمارے پاس بہت طاقت ہے، لیکن یہ طاقت غلط جگہ استعمال نہ ہو۔ اللہ کے دین کے قیام اور نظام خلافت کے لیے استعمال ہو۔

اب مدنی دور میں آیئے۔ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کی۔ وہاں قتال کا حکم نازل ہو گیا اور باطل سے ٹکراؤ کی اجازت مل گئی۔ سورۃ الحج کی آیت ۳۹ میں حکمِ ربانی ہوا: ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ﴾ ''اب اجازت دی جا رہی ہے (قتال کی) ان لوگوں کو جن پر جنگ مسلط کی گئی ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے''۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۳ میں ارشاد ہوا: ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ﴾ ''اور لڑو ان سے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے''۔ اور اسی سورہ کی آیت ۲۱۶ میں قتال کا بھی حکم آ گیا: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ﴾ ''(مسلمانو!) اب تم پر جنگ فرض کر دی گئی ہے اور وہ تمہیں گراں گزر رہی ہے''۔ قتال کا حکم نازل ہونے کے بعد پانچواں مرحلہ ''اقدام'' آ گیا۔

مدنی دور کے دو مراحل ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اقدام کیا۔ سرفروش صحابہ کرام رضوان

اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خاصی تعداد بھی میسر آ گئی‘ ٹھکانہ بھی میسر آ گیا اور اللہ رب العزت کی طرف سے قتال کی اجازت بھی مل گئی۔ مشرکینِ مکّہ کے سردی اور گرمی میں تجارتی قافلے چلتے تھے۔ اس تجارتی روٹ کو جو مدینہ سے ہو کر گزرتا تھا‘ اسے رسول اللہ ﷺ نے بلاک کیا۔ گویا ان کی معیشت کی دُم پر پیر رکھ دیا۔ غزوۂ بدر سے پہلے آپ ﷺ نے آٹھ مہمات روانہ کیں۔ ان میں چار غزوات تھے جن میں حضور ﷺ بنفسِ نفیس تشریف لے گئے اور چار سرایا جن میں صحابہؓ کو امیر بنا کر بھیجا۔ آٹھویں میں ایک مشرک مارا بھی گیا۔ اس کے بعد قتال کے مرحلے کا آغاز غزوۂ بدر کی صورت میں ہوا۔

قتال سے پہلے مرحلے کو اقدام کہتے ہیں یعنی خود آگے بڑھ کر نظام کو چھیڑنا۔ اسے بانی تنظیم اسلامی نے Active resistance کا نام دیا۔ اس کے نتیجے میں قتال یعنی مسلح تصادم کا مرحلہ آیا۔ یہ مرحلہ غزوۂ بدر سے شروع ہوا اور فتح مکہ تک جاری رہا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ ’’حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا۔ یقیناً باطل ہے ہی بھاگ جانے والا‘‘۔ آج ہمیں بھی ان دو مراحل سے گزرنا ہے۔ پانچویں مرحلے کے سامنے ایک بہت بڑی کمی ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی موجود تھی۔ آج جب ہم نے مشورے کے بعد اقدام کا فیصلہ کرنا ہے۔ ممکن ہے مشورہ کے بعد ہم صحیح فیصلے تک پہنچ جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو سکے۔ یہ سب کچھ اللہ کی مرضی پر ہوگا۔

موجودہ دور میں اقدام کی صورتیں اور ان کا ردِعمل

اب دیکھتے ہیں کہ موجودہ دور میں اقدام کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں؟ ہم سمجھتے ہیں کہ منکرات کو لے کر کھڑے ہو جائیں‘ جیسے تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ کے لیے کھڑے ہوئے تھے اور حکومت بیٹھ گئی تھی۔ ختم نبوت کے معاملے پر کھڑے ہوئے تو حکومت بیٹھ گئی۔ سود کے مسئلے پر کھڑے ہوں اور کھڑے رہیں جب تک حکومت بیٹھ نہ جائے۔ ہمیں کرسی نہیں چاہیے۔ یہ تمہی کو مبارک ہو‘ بس سود کا خاتمہ کرو۔ اگلا مطالبہ فحاشی اور عریانی کے خاتمے کا ہو سکتا ہے۔ قوم کی بیٹیوں کو ناچ گانے میں لگا رکھا ہے۔ سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ﴾ (آیت ۱۹) ’’بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو‘ اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔‘‘

کئی علماء نے کہا کہ ہمارے مکاتب فکر کا مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگ نیکی کے معاملات پر متفق نہیں ہیں۔ نیکی کے بہت سارے معاملات میں اختلاف ہے لیکن منکرات کے معاملات میں کہیں کوئی اختلاف نہیں۔ کسی بھی مکتبۂ فکر کے نزدیک بیٹیوں کو وراثت میں حصہ نہ دینا جائز نہیں۔ کسی مکتبۂ فکر کے نزدیک سود جائز نہیں۔ یہ جو بڑے بڑے منکرات ہیں ان میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ اگر ان کو بنیاد بنا کر تحریکیں چلائی جائیں تو نفاذِ شریعت کے لیے قدم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ لہٰذا ایک رائے ہے کہ آج کے دور میں اقدام کی صورت یہ ہوگی کہ منکرات کے خاتمہ کے لیے حکمرانوں سے مطالبات کیے جائیں گے۔

دورِ نبوی میں مسلح تصادم چھٹے مرحلے میں ہوا۔ آج کے حوالے سے مسئلہ یہ ہے کہ دورِ نبوی اور آج کے حالات میں بہت فرق ہے۔ وہاں مقابلہ کفار و مشرکین سے تھا‘ جبکہ یہاں سامنے کلمہ گو مسلمان حکمراں ہیں۔ یہ مسئلہ بڑا خطرناک ہے —— آج کفر کا فتویٰ لگانا بہت آسان ہے جبکہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی کو کافر کہا اور اگر وہ واقعتاً کافر نہیں تو کہنے والا کافر ہے۔ ہمارے معاشرے میں آج کل جو ایک دوسرے کی تکفیر کی جاتی ہے‘ یہ بات درست نہیں —— مسلمان حکمران کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کو ائمہ اربعہ میں سے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ ’’خروج‘‘ کا نام دیتے ہیں اور انہوں نے مسلمان حکمرانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کی بڑی کڑی شرائط رکھی ہیں۔ فی زمانہ یہ شرائط پوری ہوتی دکھائی نہیں دیتیں۔ عوام کم و بیش نہتے ہیں‘ جبکہ حکومت کے پاس بے تحاشہ اسلحے موجود ہیں۔ ان حالات میں ہمارے ملک میں خروج کا معاملہ موزوں نہیں ہے۔ تنظیم اسلامی اسے کم و بیش تیس چالیس سال سے بیان کر رہی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے جامعہ اشرفیہ لاہور میں تقریباً اڑھائی سو دیوبند مکتبۂ فکر کے علمائے کرام جمع ہوئے اور وہاں یہ طے ہوا کہ ملک میں نفاذِ شریعت کی جدوجہد ہونی چاہئے اور نفاذِ شریعت کی یہ جدوجہد انتخابی سیاست کے راستے سے نہیں بلکہ غیر مسلح مطالباتی احتجاجی تحریک کے ذریعے ہونی چاہئے۔

الحمدللہ‘ جس بات کو بانی تنظیم اسلامی سالہا سال سے بیان کرتے چلے آ رہے تھے‘ دیوبند مکتبۂ فکر کے جید علماء نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ یہ چھٹا مرحلہ ہے جہاں موجودہ حالات کے تناظر میں ہم نے یہ راہ اختیار کی ہے کہ مطالباتی و مظاہراتی احتجاج کیا جائے۔ اس مطالباتی مظاہراتی احتجاج کی مثالیں تحریک ختمِ نبوت اور تحفظِ ناموسِ رسالت کی صورت میں ہمارے

سامنے ہیں۔

اس احتجاج کے ممکنہ نتائج یہ ہوسکتے ہیں کہ کسی ایک منکر کو لے کر کھڑے ہوں اور حکومت مان لے تو ہم دوسرے منکر کی بات کریں۔ یعنی منکرات کے خاتمہ کا مطالبہ ہوگا' کرسی چھوڑنے کا نہیں۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہوسکتا ہے کہ کسی جماعت کو معتد بہ تعداد میں اسلام کے فدائین مہیا ہو جائیں اور وہ غالب آجائے تو وہ خود نظام کو لے کر چلے۔ دوسری شکل یہ ہوسکتی ہے کہ حکومت انقلابی جماعت کو کچلنے کا فیصلہ کرلے اور اس کے خلاف اپنی فوج' پیرا ملٹری فورس اور پولیس وغیرہ کو استعمال کرے۔ بڑی جرأت کر کے کہہ رہا ہوں' اللہ اس کی مجھے ہمت دے' اس صورت میں انقلابی جماعت کے کارکنوں کو گولیاں کھانے کے لیے تیار رہنا چاہئے۔ اے اللہ! اپنی راہ میں ہمیں شہادت کا رتبہ عطا فرما۔ آمین!

ہم جانیں دیں گے تو وہ عظیم اکثریت جس پر ہم نے دعوت کا حق ادا کیا ہوگا' اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اسی منہج کو ایران میں ڈھائی ہزار سالہ بادشاہت کو ختم کرنے کے لیے اختیار کیا گیا۔ گو ہمارے لیے دلیل وہ نہیں' محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اسی طرح یوکرائین' ارجنٹائن' نیپال میں بھی یہی ہوا اور بھی دنیا کے دیگر ممالک میں ایسا ہوا ہے۔ ہم اللہ کے بندے اس کی راہ اس کے دین کی خاطر کھڑے ہوں گے تو کیا اللہ ہماری مدد نہیں فرمائے گا؟

ایک شکل یہ بھی ہے کہ فوج گولی چلانے سے انکار کردے کیونکہ ہم نے ان پر دعوت کا حق ادا کیا ہوگا۔ ہم نے تو حکومت کے تمام قانون نافذ کرنے والے اداروں کے وابستگان کو' نوکر شاہی کو اور دیگر لوگوں کو بھی دعوت دی ہوگی۔ ایسا ہمارے ملک میں ہو چکا ہے۔ نظامِ مصطفیٰ کی تحریک کے دوران ایک موقع پر فوج نے عوام پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر دعوت کا حق ادا کیا ہوگا تو ممکن ہے وہ بھی گولیاں چلانے سے انکار کردیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ گولیاں چلا دیں اور تحریک کو کچل دیں۔ اللہ کے ہاں یہ محنتیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ اس کی کوکھ سے کوئی اور انقلابی تحریک جنم لے گی۔ دین کو تو غالب ہونا ہی ہے' کوئی ضروری نہیں کہ ہمارے ہی ہاتھوں ہو۔ اللہ تعالیٰ نظامِ خلافت کے قیام میں ہم سب کو اپنا حصہ ڈالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!

ماہ رمضان کے فضائل و برکات

عَنْ ابی ھُریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسولُ اللّٰہ ﷺ :

((اِذَا کَانَ اَوَّلُ لَیْلَۃٍ مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَمَرَدَۃُ الْجِنِّ، وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ یُفْتَحْ مِنْھَا بَابٌ، وَفُتِّحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ فَلَمْ یُغْلَقْ مِنْھَا بَابٌ وَیُنَادِیْ مُنَادٍ: یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَ یَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ، وَلِلّٰہِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ، وَذٰلِکَ کُلَّ لَیْلَۃٍ)) (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیے جاتے ہیں' اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھلا نہیں رکھا جاتا' اور جنت کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا' اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ: اے خیر اور نیکی کے طالب! قدم بڑھا کے آ' اور اے بدی اور بدکرداری کے شائق! رک' آگے نہ آ! اور اللہ کی طرف سے بہت سے (گناہگار) بندوں کو دوزخ سے رہائی دی جاتی ہے (یعنی ان کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے) اور یہ (پورے رمضان کی) ہر رات میں ہوتا رہتا ہے۔''

مؤتمر المصنفین جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی نئی کاوش

دارالعلوم حقانیہ اور ردِ قادیانیت

تحریک ختم نبوت 1953ء سے 1974ء اور 1986ء تک مرحلہ وار تاریخ، اقتدار کے ایوانوں، قومی اسمبلی، سینٹ اور وفاقی مجلس شوریٰ میں دفاع ختم نبوت، ردِ قادیانیت کا فیصلہ کن معرکہ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب و دیگر اساتذہ و مشائخ دارالعلوم حقانیہ کی سیاسی و آئینی جدوجہد، قومی اسمبلی، وفاقی مجلس شوریٰ اور سینٹ میں طویل پارلیمانی جنگ، ملت اسلامیہ کا موقف، مولانا سمیع الحق کے سوالنامے کے جواب میں اقلیتی فیصلہ پر عالم اسلام کے جید علماء کرام کے تاثرات اور مستقبل کا لائحہ عمل، ماہنامہ 'الحق' اور قادیانیت کا تعاقب سمیت درجنوں آئینی اور قانونی مباحث، پر مشتمل اپنی طرز کی منفرد کاوش.....ایک عہد کی تاریخ.....

ضخامت: ۶۰۰ صفحات قیمت: ۳۰۰ روپے (بغیر ڈاک خرچ)

مرتبین: مولانا انعام الرحمٰن شانگلوی، مولانا محمد اسرار مدنی (مدرس دارالعلوم حقانیہ)

ملنے کا پتہ: جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ کے پی کے۔ 0333-8000098 (مولانا فہد حقانی)

خوشخبری

اربابِ مدارس، شائقین کتاب اور اہل علم کے لیے ایک اعلیٰ علمی و اصلاحی شاہکار

مؤتمر المصنفین جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی زیر نگرانی

دعوات حق

۴ ضخیم جلدوں میں منظر عام پر قیمت: ۸۰۰ روپے اضافہ شدہ ایڈیشن

جدید طباعت جدید ترتیب اور اعلیٰ کمپوزنگ کے ساتھ

ضبط و ترتیب: شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

..... امتیازی خصوصیات .....

☆ نئی ترتیب و تدوین ☆ جامع، مختصر اور پر مغز عنوانات
☆ اصل نسخے کے ساتھ موازنہ و تصحیح
☆ کتاب میں موجودہ آیات و احادیث کے مستند حوالے و تخریج
☆ سفید معیاری کاغذ اور مضبوط جلد بندی
☆ معیاری و خوبصورت کتابت و کمپوزنگ بہترین سٹنگ

اعلیٰ طباعت کے ساتھ مؤتمر المصنفین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے بارعایت دستیاب ہے

داخلے جاری ہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کے زیر اہتمام

(پارٹ I اور II)

رجوع الی القرآن کورسز

جاری کردہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں، تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں، ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I) برائے مرد و خواتین

1. عربی صرف و نحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی و نحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II) صرف مرد حضرات

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان و ادب
9. اضافی محاضرات

نوٹ:

- اس سال کلاسز کا آغاز 31 جولائی سے ہوگا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین و حضرات 31 جولائی کو صبح 8:30 بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

داخلہ کے خواہشمند 31 جولائی تک اپنی رجسٹریشن ضرور کروالیں۔ رجسٹریشن نہ ہونے کی صورت میں لیٹ داخلہ نہیں دیا جائے گا۔

پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: قرآن اکیڈمی
K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
email:irts@tanzeem.org

ندیم سہیل
0322-4371473

June 2017
Vol.66
Regd. CPL No.115
No.6
Monthly Meesaq Lahore

رمضان المبارک کا خصوصی تحفہ

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ
کی (۲) نئی کتب

قلبِ قرآن
سُورۂ یٰسٓ
کی مختصر تشریح
صفحات: 152، قیمت: 130 روپے

خطباتِ سیرت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
صفحات: 196، قیمت: 160 روپے

رمضان المبارک کے دوران دونوں کتابیں 290 کے بجائے صرف 150 روپے میں

خود پڑھیے ...... دوسروں کو تحفہ دیجیے!

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 35869501-03
maktaba@tanzeem.org